

سب رنگ
ڈائجسٹ کا مقبول
ترین سلسلہ

بازی گر

حصہ
اول

براوی
بابر زمان خان

تحریر
شکیل عادل زادہ



مشافید میری زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئی اگر میں اُس روز گھر جانے کے بجائے خلاف معمول ریلوے اسٹیشن نہ چلا جاتا اور کھلتے سے آنے والی ہوڑہ پکیر میں تین ساڑھے تین گھنٹے لیٹ نہ ہوتی۔ روزانہ صبح سویرے میرا کرنا میرا معمول تھا۔ یہ عادت میں نے اپنے والد سے سیکھی تھی۔ شروع شروع میں میں اُن کے ساتھ ہی آتا تھا مگر وہ گھنٹوں کے درد کے باعث زیادہ دُور چلنے سے معذور ہو گئے تھے اس لیے میں نے تنہا سحر خیزی شروع کر دی تھی کبھی اس طرف کبھی اُس طرف۔ میں شہر کے مختلف حصوں میں نکل جاتا اور کوئی آٹھ بجے گھر واپس پہنچتا۔ اُس روز اسٹیشن کی رونق شباب پر تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آج ہوڑہ پکیر میں خاصی تاخیر سے آرہی ہے۔

ریل جب کسی بڑے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر گرجتی ہوئی داخل ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے زندگی کا سوکچ آن کر دیا ہے جھگڑا مچ جاتی ہے۔ خصوصاً میری عمر کے لوگوں کے لیے یہ تماشایہ دیدنی ہوتا ہے۔ بھاگتے ہوئے قلی چھپتے ہوئے خواجہ فروش گھبرائے ہوئے مسافر، آنے والے جانے والے بچے بوڑھے اور جوان نشے نشے چہرے، گوسے کالے چھوٹے لمبے دُبلے پتلے۔

میں جس شہر کا ذکر کر رہا ہوں اُس کا نام گیا ہے۔ گیا، بہار کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اُس کی آبادی دُھائی لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ اُس کے تین اطراف پہاڑیاں ہیں اور چوتھی طرف ندی ہے۔ اس محل وقوع کے اعتبار سے اُسے دکن شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اُس دستوں سے شاید سنی یہاں آئے

تو میں سے ہو گئے۔ اس شہر کی فضاؤں میں ایک سکون سا اگلا ہوا ہے۔ گوتم بدھ نے یہیں زردان حاصل کیا اس لیے اسے کچھ لوگ گوتم کے شہر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ گوتم بدھ کے اس شہر میں بدھ مذہب کے پیرو بڑے نام ہیں۔ اس کے برعکس یہاں کی آبادی ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جن دونوں یاتریوں کی آمد شروع ہوتی ہے شہر کی گھما گھمی میں ایک دم اضافہ ہو جاتا ہے۔ زندگی تیز ہو جاتی ہے، بازار بچنے لگتے ہیں اور بہت سے بے کار لوگ روزگار سے لگ جاتے ہیں۔ ہما تہا بدھ کی سالگرہ کا یہ میلہ مسلسل ایک مہینے تک جاری رہتا ہے۔ اس عرصے میں شہر کی آبادی خاصی زیادہ ہو جاتی ہے۔ شہر کی انتظامیہ کو بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ رضا کار طلبہ کے دستے بن جاتے ہیں۔ یہ دسے گیا آنے والے بدھ مسافروں کی مدد کرتے ہیں اور انتظامیہ کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اسٹیشن سے سات میل دُور بدھوں کا خاص علاقہ ہے اسے بدھ گیا کہتے ہیں۔ یہ علاقہ کئی مربع میل میں پھیلا ہوا اور ایک جزیرے کی سی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہاں کی دنیا قطعی مختلف ہے۔ سارے علاقے میں گوتم بدھ کے چھوٹے بڑے مندر اور چھوٹے بنے ہوئے ہیں۔ گہرے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس بڑیاڑی ہر وقت موجود دیتے ہیں۔ تمام مندروں کی محتاجی دیکھنے کے لائق ہے۔ بعض مندر تو ایسے ہیں جن میں ہیرے جواہر چڑے ہوئے ہیں۔ مندروں کے اس سلسلے کا سبب نمایاں مندر وہ ہے جس کے احاطے میں پیل کا ایک بہت قدیم درخت اپنی شاخیں پھیلائے کھڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ نے اسی درخت

کے ساتھ میں ریاضت کی قیام اور زوان حاصل کیا تھا۔ یہاں ہر طرف گوتم کی مورتیاں ہیں اور اس ترتیب سے نصب کی گئی ہیں کہ ان سے گوتم بدھ کی پوری زندگی کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس مندر کا گھس بدھ گیا پہنچنے سے بہت پہلے دکھائی دینے لگتا ہے۔ جن دونوں یہاں میلا لگتا ہے اسٹیشن تک سات میل کا راستہ مختلف رنگوں اور نشوں کے یاتریوں سے آباد ہو جاتا ہے۔ بعض یاتری پیدل چل کے آتے ہیں اور اس طرح گوتم بدھ سے اپنی والدہ منہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ اُس دن کا ذکر ہے جب شاکہ منی کی ولادت کا جشن منایا جا رہا تھا اور سارا شہر بدل گیا تھا۔ مجھے بھی طلبہ کے رضا کار دستے میں شامل کرنے کی سہش لگتی تھی مگر میری طبیعت ذرا مختلف تھی، اس لیے میں نے اپنی والدہ کی علالت کا بہانہ کر کے چھٹی گئی تھی۔ جوڑہ ایک پسر میں آنے والی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ بہت سے طلبہ کی ڈیوٹی اسٹیشن بھی لگائی گئی ہے کہ وہ یاتریوں کی رہبری کریں۔ آج انھیں خوب مزا آیا ہوگا۔ انتظار میں ساری رات گزرتی ہوئی۔ اُن کا حال احوال پوچھنے اور جوڑہ ایک پسر میں سے اترنے والے مسافروں کا تماشا دیکھنے کے لیے میں پلیٹ فارم پر آ گیا جیسے ایک دم کسی نے پلیٹ فارم کی زور سے چپٹی لے لی وہ پلیٹوں میں افرا تفریغ مچ گئی۔ جوڑہ ایک پسر کا سیاہ آنجن تیریلیاں بجاتا ہوا پلیٹ فارم میں داخل ہو رہا تھا۔ سب طالب علم منتشر ہو گئے۔ میں ایک جگہ چائے کے اسٹال پر دیوار کے ساتھ ٹکا کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سینکڑوں کلاس کے ایک کپارٹمنٹ کے ساتھ ایک بوڑھا اور اُس کی کم سن لڑکی بے یار و مددگار کھڑے ہیں۔ کسی قی کی بھی نظر اُن پر نہیں گئی۔ یہ سیزن کا زمانہ تھا۔ قی کم مسافر زیادہ تھے۔ ہر شخص اپنی جھن میں مست تھا۔ کوئی رضا کار طالب علم بھی ان کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ گوان کے پاس سامان مختصر تھا لیکن بوڑھا اسے اپنے کانڈے پر اٹھاتے ہوئے جھجکا ہوا تھا۔ کم سن لڑکی اضطراب میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اُس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ میری نظریں اسی پر جم گئی تھیں۔ وہ بہت نازک اور حسین تھی۔ میں اُس کی طرف کھینچا چلا گیا اور میں نے آگے بڑھ کے اُن کا سامان اٹھا لیا۔ بوڑھے نے ٹوٹی ہوئی ہندی اردو میں میرا شکریہ ادا کیا۔ لڑکی کی نگاہیں ممنونیت سے چمک اٹھیں۔ بوڑھا شکل سے ہمالیا کی ترانی والے علاقے کا کوئی باشندہ معلوم ہوتا تھا لیکن لڑکی کے نقش و نگار خاص ہندوستانی تھے۔ صرف اُس کے ماتھے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُس کا تعلق بوڑھے کی نسل سے بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ کم سن بیال، تبت اور بھوٹان کے سوانا کا وطن کہیں اور نہیں ہو سکتا۔

اسٹیشن سے باہر آ کے میں نے کسی کسی طرح جدوجہد کر کے ایک ٹانگا حاصل کیا، میں تانگے والے کے ساتھ بیٹھا اور وہ دونوں بجلی نشست پر بیٹھ گئے۔ میں نے غور سے اُسے دیکھا۔ اُس کے رخساروں پر شرمیلی چھائی ہوئی تھی۔ ویسے اُس کا رنگ خون میں تھوڑے سے پانی سفید اور پیلا رنگ ملا کے بنایا گیا تھا۔ وہ اپنے روایتی لبادہ نارشی لباس میں ایک نازک سی گڑیا محو

ہو رہی تھی۔ اُس کے گندھے ہوئے لمبے سیاہ بال کمر تک ٹکے ہوئے تھے۔ اُس کے دانت موتیوں کے بنے ہوئے تھے۔ وہ بہت شرمیلی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ جب وہ اپنی دراز پلوں کو جنبش دیتی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے تانگا بچکولے کھانے لگا ہے۔ میری عمر ایسی زیادہ نہیں تھی۔ یہی کوئی سولہ سترہ سال ہوگی۔ فرسٹ ایر کا طالب علم، گھر میں خندنی تک چڑھا اور قنوطی مشہور تھا۔ آج تک کسی لڑکی کو اس طرح نہیں دیکھا تھا۔ افسانوں اور ناولوں کے قہقے مجھے جھوٹ معلوم ہوتے تھے۔ خاندان میں کئی حسین لڑکیاں تھیں مگر اُن پر نظر ہی نہیں گئی تھی۔ اسکول میں بھی میں اپنے ساتھیوں سے بہت کم ملتا تھا۔ اعتراضات سمجھتے تھے کہ یہ لڑکا خود پسند، مغرور اور بدتمیز ہے، چنانچہ والد صاحب کی توجہ میری جانب کم سے کم تھی۔ مجھے زندگی ہی کچھ بے مزہ اور بے رنگ معلوم ہوتی تھی۔ صبح اچھے، شام تک محنت کیجیے۔ دوسروں کی برائیاں کیجیے، رات کو سو جائیے۔ سب کا یہی معمول تھا۔ میں جب نویں میں تھا اُسی وقت سے میں نے بے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں زندگی کے اس چکر میں نہیں پڑوں گا۔ میں نے میرٹک فرسٹ کلاس پاس کیا۔ کالج نے مجھے فرسٹ ایئر میں وظیفہ آفر کیا جو میرے زمیں دار باپ کی شان کے خلاف تھا۔ انھوں نے حقارت سے اسے مسترد کر دیا۔ حالانکہ زمیں دار کوئی ایسی بڑی نہیں تھی۔ بس کھلتے پتے لوگ تھے۔ عزت تھی، لوگ احترام کرتے تھے، جھجک کے سلام کر لیتے تھے۔ چار بہنیں دو چھوٹے بھائی، ایک ماں، ایک باپ۔ اگر مجھے شامل کر لیجیے تو کل فیملی تھے، بہتر ہے مجھے شامل نہ کیجیے کیونکہ والد صاحب مجھے کالی بھیر کے نام سے پکارتے تھے۔ پتہ نہیں یہ وہ کیوں کہتے تھے؟ میرا تھکنا ہوا، رنگ بگڑا ہوا اور چہرہ زمیں داروں کے بیٹوں کے چہروں کی طرح دلکش اور باوقار تھا۔ ہاں میں اپنے مزاج فکر اور اطوار میں ضرور اُن سے مختلف تھا۔ ضبط کی یہ حالت تھی کہ گری، سردی برسات کچھ بھی ہوں میرے معمولات میں فرق نہیں آتا تھا۔ ایک بار طے کر لیا تھا کہ صبح میرے لیے جایا کریں گے چنانچہ میں جاتا رہا والد صاحب ہار گئے۔ میں نہیں ہارا۔

بوڑھے کے ساتھ اُس لڑکی کو دیکھ کے مجھے عجیب سے احساسات طاری ہوئے۔ جسم میں کوئی چیز تڑپنے لگی۔ جی چاہا اُسے گھر لے جاؤں اور شیشے کی اُس الماری میں بند کر دوں جس میں چینی کے برتن رکھے ہوئے ہیں۔ صبح دشام اُسے دیکھا کروں۔ زلفوں اور رخساروں کے متعلق میں نے صرت شعر پڑھے تھے اور وہ شعر مجھے کبھی اچھے نہیں لگے تھے۔ میں شاعروں کو پاگل سمجھتا تھا مگر آج ان کی اور ان کے شعروں کی حقیقت مجھ پر واضح ہو رہی تھی۔ راستے میں بوڑھے شخص نے شفقت سے میرا نام پوچھا اور اپنا نام بتایا۔ اُس کا نام آجین تھا۔

”اور ان کا نام؟“ میں نے بے اختیار پوچھا۔
”اُس کا نام کوراسے۔ میری بچی ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔
”کیا آپ تبت سے آئے ہیں؟“ میں نے شائستگی سے پوچھا۔
”ہم بہت دور سے آئے ہیں۔“ بوڑھا کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ لیکن

ہمارا تعلق بجائیائی بستیوں ہی سے ہے۔
”ڈہل کے لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں، شریف، نیک، عملی۔“
”جی کے لوگ بھی کچھ کم اچھے نہیں ہوتے۔“
باتیں شروع ہوئیں تو ہم تمام راستے باتیں کرتے رہے۔ اُس نے مجھ سے میری تعلیم خاندان کے بارے میں پوچھا۔ میری شرافت کی بڑی تعریف کی۔ بوڑھے کی ہندوستانی صاف نہیں تھی لیکن اُس کا لہجہ بھاری بھر کم تھا۔ آنکھوں میں گہرائی اور چہرے پر تہمت تھا۔ وہ کوئی معمولی شخص معلوم نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ ”آپ وہاں کیا کام کرتے ہیں؟“
”بھاڑی کیا کر سکتے ہیں؟“ اُس نے مختصر جواب دیا۔
”اور یہ؟“ میں نے جھجک کر پوچھا۔ ”یہ پڑھتی ہیں؟“
”ہاں کورابت اچھی طالبہ ہے۔“
”کور! آپ کو یہ شہر اچھا لگا ہے؟“ وہ اب تک خاموش رہی تھی۔

میں نے پہلی بار ڈرتے ڈرتے اُسے مخاطب کیا۔
”اُس کے چہرے کی گہرائی گہری ہو گئی۔ اُس نے آنکھیں پٹ پٹا کر شکستہ لہجے میں کہا۔ بہت اچھا۔“ اُس کی ہندوستانی بھی ٹوٹی پھوٹی تھی مگر آواز بڑی سمرتی اور لچک دار تھی۔

آپ ہمارے گھر آئیے نا، ہماری بہنیں ہیں، ماں ہیں۔ وہ سب آپ سے مل کے بہت خوش ہوں گے۔
اُس نے شرم کے نظریں جھکا لیں۔ اُس کے بجائے بوڑھے نے جواب دیا۔ ضرور آئیں گے۔ ہم اپنے بیٹے کے گھر ضرور آئیں گے۔

سات میل کا سفر باتوں باتوں میں کٹ گیا۔ جب ہم بدھ گیا پہنچے تو دھوپ میں تیزی آگئی تھی۔ مندروں کے کس چمک رہے تھے اور ہر طرف بدھ یاتریوں کے غول کے غول دال دواں تھے۔ میں ان دونوں کو شیوں کی طرف لے گیا جہاں منتظر نے اُن کے ناموں کا اندراج کیا اور جب انھیں قیام کا اجازت نامہ مل گیا تو انھیں اُن کے شیوں میں بسا کے میں نے اجازت چاہی بوڑھا آجین مجھ سے بہت متاثر تھا۔ وہ مجھے بار بار دھانی دے رہا تھا کہ کتنا اچھا کہ اُس کا بیٹا زندہ ہوتا تو وہ آج میرے برابر ہوتا۔ وہ اپنے خچر سے ایک گہری لڑکی میں گر گیا تھا۔ بوڑھے کے لیے میں سکون وقار اور دکھ شامل تھا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو آجین نے مجھے سوک کے اپنا صندوق کھولا اور موتیوں کی ایک مالا نکال کے زبردستی میرے گے میں ڈال دی۔ میں نے مالا دکھ واپس کرنا چاہی مگر اُس نے میری ایک نہ سنی۔ چلتے چلتے آجین نے میرے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ پتہ بہت آسان تھا۔ لیکن محلہ کریم گنج میں تھا۔ میں نے اُسے مکان کا نقشہ بخوبی سمجھا دیا تھا تاکہ وہ بھول نہ جائے۔ اسی لمحے کورائے اپنی شیریں آواز سے مجھے سوک لیا۔ ”آپ ادھر آئیں گے؟“ وہ اُنکٹے اُنکٹے بولی۔ ”ضرور آئیں گے۔“ میں نے چمک کر کہا۔ ”لیکن آپ بھی آئیں گی۔“ اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ضرور ضرور آئیں گے۔“ واپسی میں راستے بھر میرے ذہن میں کوئی اور چیز نہیں تھی۔

میں اُن دونوں ہی کے متنی سوچتا رہا۔ بوڑھے آجین کی دی ہوئی مالا میں نے جیب میں رکھ لی تھی اور کورا کا چہرہ میری آنکھوں میں محفوظ تھا۔ آج کا دن مجھے ایک نیا دن معلوم ہو رہا تھا اور میں خود کو اجنبی اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ گھر آ کے میں نے والدہ کو تاخیر سے لوٹنے کی وجہ سے جھجکا بتا دی اس نے والد کی تصدیق کے لیے میرے پاس آجین کی مالا موجود تھی، اُسے والد صاحب نے دیکھا تو کسی سوچ میں پڑ گئے، پھر کہنے لگے۔ ”تھیں یہ مالا کسی صورت میں قبول نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ بیش قیمت موتیوں کی مالا ہے مجھے حیرت ہے اُس شخص نے اتنی معمولی خدمت پر یہ تحفہ کیوں بخش دی؟“

”جی ہاں، اُسی نے مجھے دی ہے۔ میں نے قد سے ناراضی سے کہا۔ میں نے اُسے بہت منع کیا مگر وہ مانہی نہیں۔ وہ ایک بہت نیک شریف اور مال دار شخص معلوم ہوتا ہے۔“

انھیں مجھ پر شبہ ہوا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں پہلے ہی میں اُن کا سبک شکوک مٹا تھا۔ انھوں نے مالا کئی بار پکھی اور کسی جوہری کی طرح اسے نگاہوں میں تولاد اور والد کے سر کو دی جنھوں نے اُسی لحاظ سے اپنے زلیخوں میں اسے مقفل کر دیا۔

دن تو جیسے گزرتا تھا، گزرتا تھا، رات آتی تو مجھے نیند نہیں آتی۔ حالانکہ میں جلد سو جانے کا عادی تھا۔ پوری رات کو میں بدستے گزرتی۔ کورا کا چہرہ نظروں میں سیار رہا۔ ایسی بے چینی تھی کہ کسی کو ٹھکانہ نہیں تھا۔ میں نے کھلی دیکھی تو بین ہی رہے تھے۔ والد صاحب فجر کی نماز سے پہلے جاگتے تھے تو مجھے اُٹھاتے تھے اُن کے بیدار ہونے سے پہلے گھر سے بھر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ گہری آتی میں پہلی ہی آواز پر اُٹھ بیٹھا۔ انھیں سلام کیا اور جلد سے جلد کپڑے بدل کے گھر سے نکل گیا۔ آج ادھر ادھر جانے کے بجائے میرا رخ بدھ گیا کی سمت تھا۔ آج سے راتے تک میں پیدل چلتا رہا۔ پھر ایک تانگے میں بیٹھ گیا۔ بدھ گیا میں چمکے پہنچنے سے پہلے ہی دن نکل آیا تھا۔ شرمیں جاگ رہا تھا اور شاکہ منی کے قدروں میں پھول پھول پھول کر نئے اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ شاکہ منی کو سکون بہت پسند تھا اور صبح سکون اور امن کی علامت ہوتی ہے۔ اس سال دنیا کے مختلف حصوں سے گوتم بدھ کے پڑوسی تھوڑے لوگ یہاں آئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ آجین اس وقت اپنی بیٹی کورائے کے ساتھ کسی مند میں ہوگا۔ احتیاطاً میں نے نیچے میں جھانک لیا مناسب سمجھا۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں وہاں موجود تھے۔ جب کہ باقی شیوں کے باسی مندوں میں عبادت کے لیے چلے گئے تھے۔ میں نے نیچے کے باہر سے آواز لگائی۔ بوڑھا آجین برآمد ہوا۔ وہ مجھے دیکھ کے کھل اٹھا اور میری کمر ہاتھ رکھ کے بولا۔ ”آؤ بیٹے اندر آؤ۔“

”آپ ٹھیک تو ہیں نا؟“ میں نے پوچھا۔
”بالکل۔“ دیکھو کورا! باہر آیا ہے۔“ میں رات تم سے اس کا ذکر کر رہا تھا۔ آجین نے مجھے چٹائی پر بٹھایا جس پر ایک سفید چادر بھی ہوتی تھی۔ سامنے ہی کورا کا بستر تھا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی، میرے پیچھے ہی اٹھ بیٹھی اُس نے

کرنی اطلاع بھی نہیں دی؟" اتنی غصے سے کہیں۔

"خیال تھا ملدی وہاں آوازوں کا؟"

"نیم پھل و خروکے جھٹکے میں کون پڑ گئے؟ ہم مسلمان ہیں یا؟"

"لو کیا آپ سمجھتی ہیں کہیں اپنا مذہب بدلنے گیا تھا؟"

مذہب تو یہ نفوذ باور اتنی کانوں پر پڑتا دیکھتے ہوئے بولیں۔

باتیں کو دہانے دہانے اپنے بارے کے سامنے آگے بٹھاتا وہ تیری کسی خبر لیتے ہیں۔

اتنی نے اس بار کچھ بڑا بڑا ہی غرور کیا کہ پتہ نہیں کہیں؟ یہ اتنی

ناراض تھنے والی بات تو نہیں تھی حیرت ہے کہ اس دن والد صاحب نے

کچھ نہیں پوچھا وہ دوسرے کسی میں اتنی کی ساری باتیں سن رہے تھے میں

سمجھا یہ بھی ان کے خفا تھنے کا ایک انداز ہے یا اتنی نے ان کا کڑا بھی پورا

کر دیا تھا میری بہن فرحت اور فہم نے اتنی کی دوسری کچھ تو نہیں دیکھی وہ پچھلے

ایسی صورت میں ایک طرح ممکن تھا کہیں اس رحمت کا ذکر کرتا جو میں نے

لڑھے اتنی اس کی جیجی کر دی تھی میں نے بڑی بے بسی مڑھوں کا پنا

گھر لیے چڑھ کر کسی طرح گلا ایک مٹی خادو جہاں میں منزل کے کٹ

رہا ہوں۔ مجھے بے تحاشا غصہ آ رہا تھا میں نے اسے بے نیکی کی کوشش کی تو اورو

بڑھ گیا۔ میں نے جھجکا ہٹ میں نے نہ فیصلہ کیا کہ مجھے بھی اور ہی وقت

رحمت کا ذکر کرنا چاہیے منع کروں گے تو میں گھر سے نکل جاؤں گا۔ اتنا

میں نے آواز کر کے پھر گڑا تو اتنے نے نہیں کسی تدرستی سے غائب

کیا لیکن میں نے پیچھے پھر مڑا نہیں وہ سکا نکال بات کہیں آپ برا تو نہیں

ہاں گئے؟"

"کوہ؟ وہ تو شے سے بولے۔"

"ابا! اگر میں اس کی رحمت کروں تو آپ کی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"ہم اعتراض کیوں ہوگا؟ یہ تھا کہ ہے۔"

مجھے اپنے کانوں کی صحت پر مشورہ ہوا۔ ابا! میں نے ناز اور ہلے

اغص غائب کی میں نے نکل رات دو معزز آدمیوں کی رحمت کر دی ہے۔

"کون ہیں وہ؟" ابا نے غیر متوقع فری سے پوچھا۔

"وہ وہی بزرگ شخص ہے جس کا نام امین ہے اور اس کی بڑی

وہ گڑبہ نہ صرف بل بلالا انھوں نے ہی مجھے دی تھی۔ میں نے جس

میں کہا جواب دینے کے بجائے والد صاحب حق کو گولانے لگے میں ان کے

کہہ چکا ہوں ابا! میں سے منہ سے نکل گیا آپ انکار کریں گے تو میری جھ

ہو جائے گی۔"

"جب تک تم نے جواب نہ دی ہے اسے پورا کیا جائے گا۔ اتانے

آہنگ سے کہا کچھ آواز اتنی ملتی انھوں کو رحمت دینے میں انبیا بڑا تر

پتہ نہیں کہ ننگ کہاں سے آئے ہیں۔"

"بہت اچھے لوگ ہیں آپ ان سے ملے تو یہی ہیں ایسے ہیں

کر لیتے گھر میں کہیں نہ ہو کرنا۔ میں نے جذباتی ہے میں کہا اور بڑھے اتین کی

تعلیم کرنے لگا۔"

والد صاحب نے میری لاج رکھ لی تھی میں ان پر بہت چار آیا۔
تمام شکر ہے ایک ہی بات میں دو دھڑکے میں جس کا کہ نسبت شکل تھا تھا
وہ اتنا آسان نکلا میری عقل میں آکر دو تیسری قیمت میں مجھ سے
ناراض تھے جن دل کے بہت اچھے ہیں۔ اس سے کہیں نہ کہ اتنا
مجھے ہو گئی کہ میں اونہیں املاؤں گیا تھا۔ اتنی بہن اور بائیں
بڑھائی ہی کے حلق بہت سے سوال کے ہیں بتا رہا کہ وہ کتنا مقل مست
توجہ کار و خوش اخلاق شخص ہے میں نے اپنے گھر میں اس کا کیا انتظام
کر دیا کہ جب وہ آئے تو سب عزت و تکریم سے پیش آئیں۔ اتنی پہلی بھی
رہیں شام تک میں نے خصل بھی کیا کیا میں خود سے دھما ہوا تھا
دوسری رات نیند تو اتنی عجیب طرح کے خواب لگے ہے
کہ میں کو اس کے ساتھ جاؤں اور اس کا سفر کروں۔ وہ میرے گھر میں
میں نے یہ سنا تھا پھر وہی ہے وہ چھٹی رات کا پابا اور کرنا ہے
ہوئے ہے گھر میں وہ پنا بھی ہے۔

صبح بھٹے ہی میں سیر کر نکلا گیا سوچا بھگیا کی طرف ہو گاؤں اور ایک
بار پھر تھوڑی دکانوں میں کھانے کے لئے کھانے کا ذکر امین سے کر دیا ہے۔
اگر ایسا ہوا تو وہ اپنے دھم سے خوف پرستہ ہو چکے ہیں نہ آئے انکار کرنے
اور گھر میں سب پر خوب مذاق اڑاؤں لیکن جانے کیوں نے بھی تھا کر دیا
خاموش رہی وہی میں جلدی میں گھر میں آگیا اور جیل فری سے نہ کہنے لگا
قدیم شے کی صفائی کی دیواریں تھیں دیوار کی ریاں صاف کیں خوش
دھلایا، مچھ میں چاندنی بدل چھوٹا سا فانی ہو گیا، گاڑیوں کے خلاف
بدلوائے۔ بہن بھی میرا ساتھ دیتی اور مجھے چڑتی رہیں۔ اتنی نے صفت تم
کی لذت نہ بنیں اور چاند پکڑے۔ چنانچہ مزے مانت گوشت کا کوئی سالن
تیں پکا گیا کر کھانے میں نے کھانے کے لیے کچھ بھی ہوا یک دم دار کے گھر میں آنا تھا۔
کے بارے میں وہ نکال کے کہہ لیے کچھ بھی ہوا یک دم دار کے گھر میں آنا تھا۔
میرا میں کہنے میں کہنے میں ہوا۔ مجھے بھگیا کی جانب
روانہ ہو گیا۔ بادل دھوکا ہوا تھا۔ بھگیا کا جانا ہوا پناست اور چوں موسم
ہوتا تھا۔ دھوکا کہ میں کا ہوا دلا نہ دیا گیا ہے۔ یہ بھی خیال آگیا کہیں
وہ دھوکا نہ چلا گیا ہے۔ دل میں ہلکا آئینہ ہے میں اس کے منہ پر پہنچا تو
وہ صبح دھوکا اور خوش نظر آ رہا تھا میری جان میں جان آئی کسی سلام
دھوکے بعد میں نے کیا۔ آپ کو مکان دھوکے میں مشکل پیش آئی اس
پے لیے خودی چلا آیا۔ چلیے تیار ہو جائے۔
"میں خود آنا ہوا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا تم نے بے کار کلیت
کی بہر حال بھی بیٹھو ڈالو پھر پڑتے ہیں تو گھر سے پہلے یا دوسرا باں
ہیں نکلتا تھا اس نے اپنا جی میں اتنا ہوا اور پناست میں گھر سے
پہرہ ڈھلا ڈھلا کر تاپیں رکھا تھا۔ چلنے کی شال شانوں پر ڈال رکھی
تھی اس لباس سے وہ اور دل کی ہو گئی تھی۔

"آپ کی بہن کتنی بڑی ہیں؟ پہلی بار اس نے مجھ سے سوال کیا
اور مجھے ایسا کہہ دیا ہے اس نے میری بہت سی باتوں کا جواب دے دیا ہے۔
میں نے اسے اپنی تمام باتوں کے نام بتائے اور میری باتیں بڑھا بھی
انہک سے سنا اور اتنا نہ اتنے ہی اس نے مجھ سے مندرت چاہی اور کہا
کہ اسے پاس جیل کر لے اس لیے میں لو کر دیا کہ میرے لیے ہر طرح میں نے
اس کی درخواست کی میں کہ جب ہم دونوں باہر گئے تو میں نے کچھ
سے پوچھا۔ آپ نے کہا کہ تو ہیں؟
"میں۔ جہ جہتی ہوئی کہ میں نے نہیں بتایا۔"
"میں بہت ڈر رہا تھا۔ پتہ نہیں کہ کیا میں نے کچھ نہیں سمجھا
گیا ہے۔ آپ تو اس لباس میں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔
وہ باتیں اور کتنے کے لیے آپ کا چھٹا لگا ہے؟"
"آپ کو بھی میں میں مجھے اچھا لگے گا میں نے کہا ہے کہ میں
گھر چلے کہ خوب لگے گا میں نے اپنی بہن سے آپ کی بہت تعریف کی ہے۔
"اور میں نے بالے آپ کی۔"
"آپ نے اس کے علاوہ تعریف میں تو بہت بڑا ہوں۔"
"ہوں۔ اس کے تو میں سے دانت چکے گئے۔"
"آپ سے پوسوں ہی ملاقات ہوتی ہے مگر اس میں ہوتا ہے
مجھے ہم دوسوں سے ایک دوسرے کو کہتے ہیں آپ کو ایسا لگتا ہے؟"
"اُس نے انبات میں گردن ہلائی۔
"مگر جا کے بھی آپ کا خیال۔" میں نے نظر نہ ہٹا دینے کہ
اس انامیں بڑھے اتین نے آواز دی۔ اتنا آواز۔ ہم دونوں
اند کے تودہ ہاں بدل چکا تھا۔ میں تیار ہوں۔
اندروں کو چکا تھا۔ روٹنے کی ہل میں کسی کو کتاب کے سامنے میں
سینکھنے میں لپٹا ہوا پناست دیا ہوا تھا میں نے اس سے کہا یہ مجھے پتہ نہیں
اس نے کہا اسے اندر کر دیا۔ میں نے زیادہ اور میری نہیں کیا۔ ہم تانگے میں
بٹھ گئے۔ مڑھوں پر پوٹیاں بٹھلانے کی میں میں خوشی اور فخر کے ساتھ
سے بہت بھلائے گردن اڑا کر تانگے کی اگلی نشست پر کھڑا کر کے ساتھ
بیٹھا تھا۔ تانگہ رکنے کی آواز سن کے والد صاحب دواڑے پر آ گئے۔
دونوں ایک دوسرے سے چلنے تانساؤں کی طرح نکل گئے۔ دواڑے میں
آئی اور بہنوں نے کر دیا کہ اتنا ہوا اتنی نے تو اسے گئے لگا۔ کاش
میں اتنی ہوتا۔ وہ سب جہاں اتنی اندر زنان خانے میں مل گئیں اور میں والد
صاحب اور اتین چمک میں لگے۔ چاندنی کے اوپر دریاں میں تالیں
چھا رہا تھا۔ اتین کو عزت کے ساتھ وہاں بٹھا گیا۔ آپ نے میری عزت
بڑھائی۔ والد صاحب نے خاصا دم میں دلا نہ بیچ میں کہا یہ بچہ وہ اسی
وقت اختیار کرتے تھے جب گھر میں کوئی معزز ہوا تھا۔
"اتین سے کہہ کر دیا اور اتفاق کی تعریف کرنے لگا۔ اس نے چلے گئے
مگر کر دیا کہیں آپ سے ملاقات کروں۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟ والد صاحب نے کسی انداز میں پوچھا۔
"بارے تو میں آپ کی تعریف میں کچھ بتایا نہیں۔"
"جناب میں تو کہانی بولی ہوں ہے کسی وقت فرصت میں سناؤں
بہت سچے سچے ہوں چھپنے سے زیادہ ہو گئے۔ چند بیٹے ہیں اب بچہ کلکتے
چلا گیا اب وہیں سے آ رہا ہوں بہت میں گھٹی باڑی کرتا تھا۔"
"اچھا اچھا آپ میری زبان میں خوب؟ والد صاحب نے
میں کہہ کر کہا۔ اپنا بھی ایک زلٹے سے یہی پیش ہے۔
دونوں بڑھوں میں جلدی مخالفت تم ہو گئی اور وہ دنیا جہاں
کی باتیں کرنے لگے والد صاحب اپنے بچوں کے شغف کا پتہ کرنے کے لیے پانی
یا دلی جھری اور میری دواڑات نکلنے لگے۔ "اتین میاں سماع انھیں
کہاں منتہا ہوتا؟ میری بڑی بہن فہم نے آواز دے کے مجھے بلایا میں
میں میں کہہ کر دینے کی بار بار یہ تو بہت پیاری ہے مجھے میں میں کہہ کر
سے گویا سی گئی ہے اگر یہ مسلمان ہوتی تو میں اسے گھر سے نہ جاتے دینی
تھا ہے بے خوف نہ کہ اتنی اب مجھ میں آیا کہ کل کہاں غائب تھے۔
"اچھا بات ہے۔"
"کیا بات ہے؟ میں نے مسخوڑی ناگوری سے پوچھا۔
"میں سب سمجھ میں ہیں جب؟ تم اور کہیں نہیں آتے؟ وہ خوشی
کر لے گی اور مجھے کتنی ہی اندر کہہ میں نے کہاں کر دیا میری دوری
بہن اور بائیں میں گھر بھی تھی امین نے اتنی ملدی دوستی کر لی
تھی کہ اسے جڑاں ایک پناست میں۔ وہ اتنی اس کے نازک نازک
باتوں اس کے رنگ زلفوں پر ہنسن اور دیکھتے ہوئے رساؤں سے بہت
تیں گویا میں میں خوب موتی میں کسی سے تم میں تیں لیکن کر کے لگے
ان کے بہت گہنا گئے تھے۔
"جانی جان! ہم انھیں اب ملانے نہیں دیں گے ان سے کہیں کچھ دن
ہم سے گھر ہیں۔ میری چھٹی بہن فرحت کہنے لگی۔
"میں کا کہہ سکتا ہوں۔ میں میں چھٹا چھٹا سا تھا تم اتنی سے کہہ دیا
پھر اتین صاحب سے۔"
"آپ باتیں کی تو نہیں؟ یہ سب چھوٹے جہاں گھر نے معصومیت
سے پوچھا۔
"کوہ کو جواب دینے میں مشکل پیش آئی۔ "نہیں۔" اس نے
جہاں گھر کے گال پر ہلکی سی جھپٹ لگاتے ہوئے کہا۔
"جہاں کہہ دو فرحت! امین کے پاس پہنچ گئے اور مندرت کرنے لگے کہ وہ
کہہ دیا کہ کوئی رات جاتے نہیں دیں گے۔ والد صاحب نے انھیں بٹھا کر
چراغیں گئے۔ اتین نے فرحت اور جہاں گھر کو دیکھا اتنا اور ان سے
دیکھ کر نہ لگا کہ ہم لوگ دوبارہ آئیں گے۔
میں گھر میں بارہا دھوکا پڑا پڑا تھا کہیں اس طرف کبھی اس
طرف اتنی نے ایک پڑھت لکھنے کا انتہام کیا تھا۔ رات کے دس بجے تک

وہ دونوں بوجھ ہے۔ کور کر رہا ہوں اس کے احساس ہوا کہ میں اسے اپنے لیے
کماں لایا تھا۔ اتنے لوگوں کے وجود میں اس نے کوئی بات ہی نہیں ہو
سکتی تھی مجھ پر حملہ نہیں تھا۔ لیکن میں نے جتنے وقت اتنی کھینچے
تھیں طرز کا ایک مہینہ گزرنے لگا۔ والد صاحب کے شہید انکار کے باوجود بھی
وہ نہیں مانا اپنا بیٹا نہیں طرح دے کے آیا تھا۔ اسی طرح والدین نے لگا
جب کہ میرا خیال تھا کہ اس کی کوئی تحفہ ہوگا جو وہ گھر کے مالدار صاحب
حوالہ کر دے گا۔ اس میں ضرور کوئی ایسی مہینہ چیز تھی جو وہ مجھے میں بھیجنا
نہیں چاہتا تھا۔ وہ جیسا کہ لیکن والد نے اسے کو وہ میری کتابیں اس کے
جاننے کے بعد گھر میں اس کی یاد کروا رہی کہ باقی بقیہ رہیں۔ مجھے خوش
تھی کہ والد صاحب اس کی ذہانت اور شرافت کا گواہ اثر قبول کیا ہے۔ وہ
بہر حال ہل کے اس کی ملازمتی اور اس مہینہ میں ملک کا تذکرہ کرتے
تھے۔ جب وہ ایسا کرتے تو مجھے گناہ تھا۔ میرے وہ میری صفات بیان کر رہے ہیں۔



پھر تراپا کچھ یہ عالم ہوا کہ جندی آجائے ہو گئی کتابوں میں نہیں
لگتا تھا۔ کتابیں کیا کس کام میں ہیں لگتا تھا۔ دوسرے دن بھی میں ایک
دھت کے گھر کا بازو کے بھگیا پہنچ گیا۔ روزنامہ میں گھر کی تیریت
ہیں مباحث کا حال پوچھنے لگا۔ کور نے نام لے کے تمام گھروں کا
حال حوال پوچھا۔ اس کے کان میں وہی باتیں دیکھ دی تھیں جو اتنی
نے کل بات سے ہی تھیں۔ چاروں بھی وہی کہتے تھے۔ میری طبیعت بھی اس
نے شرم سے ڈال رکھی تھی۔ اب میرا یہ معمول ہو گیا کہ کسی کسی وقت موقع
نکال کے بھگیا پہنچ جاتا۔ بیلا تباہ پڑتا تھا۔ بدھ کیالی رات میں پہلے
سے کچھ ملاضافہ ہو چکا تھا۔ ایک بجے بعد وہ چھراک دلت کر کے ساتھ
والد صاحب ملے آیا اور دلت گئے والدین کے گھر سے ایک بجے میں کئی
باریں نے کوشش کی کہ کور سے تنہائی میں ملاقات ہو جائے مگر مجھے
کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ روزنامہ بھگیا میں شاید مجھے میں پہنچنے کے لیے آیا تھا۔
وہ بہت کم باہر نکلتا۔ دن بھر اپنے خیمے میں پڑا رہتا اور باہر جانا بھی تو
جلد پس آجاتا۔ پہلے والا اختلاف ختم ہو گیا تھا اور اب ہم دونوں ایک دوسرے
سے کم کہہ کر غائب ہوتے تھے۔

نہیں دن مجھے ایسا موقع مل گیا جب آجین اپنی کسی ضرورت کے
تحت خیمہ گیا تھا۔ کوئی بہت ہی اچھی ضرورت ہوگئی تھی کہ اسے کور پر وہ پڑا ہوا
تھا۔ احتیاطاً میں نے اسے دیکھا لیکن نامناسب سمجھا اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ
رہ گیا کہ وہاں تنہا کور موجود تھی۔ اس کا چہرہ کل اٹھا۔ بابا کہاں ہیں؟ میں
نے ناقابل یقین ہے کہ پوچھا میرے آجین وہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔
"وہ کسی کام سے شہر گئے ہیں۔ دیر سے آئیں گے۔ میرا راتے
ساگے سے جواب دیا۔

تم انکا ڈوگے؟ اور جانے پہلے بابا مجھے سے گئے تھے؟ میں نے
ابھی کہ نہیں کیا ہے۔

ہاں بشرطیکہ تم ساتھ کاؤ۔ اس نے چٹائی کا بنا ہوا سرخاں بچھایا۔
چٹائی پر سڑیل اور بالکل چٹیلان رکھی ہوئی تھیں۔ ہم دونوں جھومتے جھومتے
بنائے کھاتے رہے۔ میں ایک بجے سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ تم نے تنہائی
میں ملاقات ہو جائے۔

"میں بھی۔"

"سچ؟ میں نے لپکتے رہے نہ کہ۔"

"ہاں۔"

مگر جب تم ملی جاؤ گی تو بہت اداسی ہو جائے گی؟

"ہم لوگ ملنے ہی والے ہیں۔"

"کب؟" میرے ہاتھ کا تھرا تھرا ہوا تھا۔

"بابا کہہ دیجئے کہ آجین چاروں میں ہم یہاں سے ملے جائیں گے۔"

"کیاں؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔"

"چہ نہیں؟ وہ اداسی سے بولی۔"

"تم نے اپنے ہاتھ میں کچھ بتایا ہی نہیں؟ میں نے شکایت کیا۔"

"کیا بتاؤں؟ وہ دھم سے بولی۔"

"تمہارے بابا بھی... میں کیا جانتا تھا کہ جب پورا شخص ہے۔"

وہی بھر خیمے میں گھس رہا تھا۔ ملاوٹ آتی دوسرے یہاں آیا ہے۔

"وہ میرے بابا نہیں ہیں۔"

"کیا؟" میرا لالہ اعلیٰ میں اٹک گیا۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟

"میں کچھ کہہ رہی ہوں۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ...."

"میں نے غلط کہا تھا۔ وہ میرے بابا ہیں لیکن میرے باپ نہیں

ہیں۔ اس کی آنکھوں میں بابا کی آنسو رو گئے۔

"کیا بات ہے؟ میں نے بتاؤ گی؟"

"میرا باپ مارا گیا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ وہ جنت کے ایک حبیب کا

سرور تھا۔ میرے بچپن سے مارا۔ بابا آجین کے باپ کا دست بھی تھا

اڑھے پڑھا بھی تھا۔ جب ہلا دیاں رہنا شکل ہو گیا تو وہ بے لکے

خند بکستان چلا آیا۔"

میں حیرت میں ڈوب گیا۔ روئے آجین کے کسی طرح سے یہ ظاہر

نہیں ہوتا تھا کہ وہ کرا کا باپ نہیں ہے۔ نہ کیا تم باپ ہیں۔ میری آنکھوں میں

مجھے جیسے معلوم ہو گیا کہ ایک ہنگامہ میں مجھے شہر خیمہ گھومتے ہوئے ہیں۔

کورا نے مصروفیت سے کہا۔

"ایسا کیسے ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ صرف اتنا کہ میں نے خوب

آنسو بہائے۔ میں نے اسے دلاسا دیا۔ تارہ بھرا اور ملا کر میری ہمت میں کچھ نہیں

آ رہا تھا۔ وہ کسی ایک جگہ تک نہیں گئی تھی۔ میرا زور اچھل گیا۔ میں اس کی

مٹھی میں اٹھا ہوا تھا کہ میرے سر پر پڑا ہوا آجین دھت زدہ نماز سے

خیمے میں داخل ہوا۔ اس کی بٹل میں وہی بھرا ہوا تھا۔ اور اس کی مٹھی میں
نہیں تھی۔ کوئی بچہ بچتا ہوا نہیں آیا تھا؟ اس نے گھبرائے خیمے میں کہا۔
"میں نے کور سے اور وہیں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"تم کب سے یہاں بیٹھے ہو؟"

"تھوڑی دیر ہوئی ہے۔ میں نے جواب دیا۔

"تم سو سکیں رہی ہو؟" اس نے کور سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ یہ کہہ نہیں سکتا۔ تم چاروں میں جا رہے ہیں۔ میں نے

غیر خدا و فرشتہ کو ذکر کیا تو روتے لگیں۔"

آجین کور سے لگا اور فریض پوچھ گیا۔ آپ نہیں سوئے گئے؟ بابا؟ کورا

نے اپنی آنکھیں ملے جھپٹے ہوئے کہا۔

"میں صبر سے لوٹ آیا۔ پیسے تو نہیں بچل گیا تھا۔"

"وہ آپ نے گھر کے آگے لے لیے ہوتے۔"

"اور وہیں نہیں باپ! یہاں نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"آپ تو فریض پر روتے ہیں وہ آپ ہی کا گھر ہے۔"

"تم بہت اچھے روکے ہو بہت یاد آؤ گے۔"

"آپ بچے لگتے تو میرے اتنی ہی کیا جلدی ہے؟"

روئے نے ایک گہری سانس لی۔ بابا میں ضرور شیراز گھر جے جلدی

یہاں سے جانا ہوگا۔ شاید ہم آج کل میں ملے جائیں۔"

"کیوں؟ کورا تو جلد ہی خیمے کے آپ میں چاروں اور میں گے۔ میں

آپ کھینے والا تھا۔ کانوں سے کہیے آپ انھیں ہلکے ہاں پہنچے۔" دیکھ

بہنوں نے بہت اصرار کیا ہے۔"

"ہم چھوڑیں گے۔ بابا پھر آئیں گے۔ وہ صراٹا ہوا ہوا۔ اب تو

گیاں بھی ہلا کر ایک گھر ہے۔"

"نہیں نہیں۔ ہم آپ کا بھی نہیں جانے دیں گے۔"

"اچھا۔ دیکھو۔ کل بتائیں گے۔ صاف ظاہر تھا کہ روئے نال رہا ہے

لیکن میں اسے کیسے روک سکتا تھا۔ بے ایک ایک دن تو مجھ میں تھا۔ مجھے

دیاں چھوٹیں گئیں۔ کور نے منہ دھوئے سے چند کافیات نکال کے خیمے میں

سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور مجھے کچھ بے نیازی اختیار کیا تھی۔ میں نے

کور کو اشارہ کیا اور آجین کو راکب کہا۔ پورا چلا آیا۔ سات میل کا سفر میں نے

پیدل ہی لے کیا۔ تنہا تنہا آداس لوٹنے میں کچھ بھگتا جاتی رہی

بستر پر گر گیا۔ اتنی لاکھ جتنی جاتی رہیں۔ چاروں نے اسے کیرا ہوا دیکھا۔

میری آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور مجھ پر غما۔ وہیں گیا ہوگا۔ بھگیا۔ دیکھانے

کہاں کہاں کے لوگ دنگ لگے گئے وہاں آتے ہیں گے۔ بارہ۔ یہی یادیں

سے لایا ہے۔"

اتنی ہی باتیں تھیں۔ نہ تو رسم لڑ رہا تھا اور بھگیا ہی سے مجھے

یہ رنگ لگتا تھا۔ میں نے رات کا کچھ بھی نہیں کیا۔ آؤپر کے کمرے میں پڑا

رہا۔ وہاں میں چھوٹا تھا۔ میں آئیں۔ بھائی آئے۔ بابا نے میں آٹھ کے خیمے میں گیا۔

کوئی ایک دن رات کو زور زور سے دروازہ پھینکے کی آواز میں اتنے
گھبراہٹ میں جاگا ہوا تھا۔ اس نے وقت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھر نیچے اتر کے
صحن میں پہنچا۔ اور اتنی ہی جاگ گئے تھے۔ اتنی رات گئے کہ رات کے گھر
آ سکتا ہے؟ کسی کی آنکھوں میں کچھ نہیں آیا۔ لیکن ہر گھنٹا ہے؟ میں آنکھیں تھابرا

دروازے پر پہنچا۔ پیسے میں نے دروازہ کھولا۔ اس نے یہ لگا۔ میں کچھ کر کوئی

خواب دیکھ رہا ہوں اس کا خیال تھا۔ وہی سامنے کھڑی تھی کہ کسی سہری

کی طرح بھی ہوئی۔ دروازے پر کھڑی تھی اور اس کی بٹل میں گھری ہوئی تھی

تھی۔ مجھے دروازے پر پہنچتے ہی میری سہری طرف ہٹل ہو کر والد صاحب

بھی مجھے آگئے تھے۔ ہاں لے میں ایک طرف بھگیا۔ تم؟ میں نے حیرت

سے کہا۔ حیرت تو ہے؟ وہ ڈیڑھ میں بار بار دنگ لگے کی جھانکے لگی۔

"اندر آ جاؤ۔ والد صاحب نے تہذیب کے لیے میں کہا۔

"اتنی صاحب کہاں ہیں؟ میں نے سر اٹک سے پوچھا۔

"بتاتی ہوں۔ اس نے زبواں آواز میں کہا اور گھبراہٹ ہوئی اندر گھر

میں آگئی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ رفتی ہوئی آئی تو سب اس کی حرکت

کھینچنے لگے۔ اس کے چہرے پر زور دی چھائی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں دھت سی

ہوئی تھی اور ہنٹا رز شہ سے ہاں گرو میں اور چھوٹے جھومتے پاؤں

مٹھی میں اڑتے ہوئے تھے۔ گھر میں آتے ہی وہ زارہ تغلڑنے لگی۔

میں نے صحن کی کرا کوئی اور بابا کے کمرے کے کمرے میں آتی

کا انداز تو بڑا عار تھا۔ کیا پوچھی؟ تم اتنی رات کہاں اکیل کیسے آ

گئیں؟ امین صاحب کہاں ہیں؟ آتے تھے جلدی آواز میں پوچھا۔

وہ بھگیاں لینے لگی۔ انھیں مارا گیا ہوگا۔

"مارا یا گیا ہوگا؟" ابانے چھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ خیمے میں ایک آدمی گھس آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھرا تھا،

وہ بابا پر چڑھ گیا اور بابا نے مجھ سے کہا کہ بیٹی چھاگ جاؤ۔ چھاگ جاؤ۔ میں

نے جلدی سے یہ سامان بیٹھا اور وہاں سے چلی آئی۔"

میں بہت ڈوڈک بھاگتی رہی۔ پھر مجھے ایک آنگے لالہ لگا گیا۔ میں

نے اسے بہت دور چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ گھر نہ دیکھے۔ پھر میں چھپتی چھپتی یہاں

آگئی۔ میری کوئی گھر تھی نہیں ہے۔ دنیا میں میری کوئی نہیں ہے۔ وہ چھوٹ چھوٹ

کے رہنے لگی۔

اتنی کو چاہیے تھا کہ وہ اس کے سر پر ہاتھ دھیں اور اسے سینے سے لگا

کے کہیں۔ یہ تھا کہ گھر سے گرائی اور آیت سے کھڑے رہے۔ نہیں۔ یہ کیسے

تھیں۔ یہ کہ امین صاحب ہاتھ لگے؟ آٹھ کیسے ہاں میں ملے کہ پھر میں

اس سے پوچھا۔

"اس سے ہاتھ میں پھر رہا تھا۔ بابا خالی ہاتھ تھے اور کمرہ دھتے۔

میں مانتی ہوں کہ وہ میرا چھرا ہوگا۔ وہ وقت ہی کا کوئی آدمی تھا۔ جب بابا

مجھ سے یہ کہا کہ میں چھاگ جاؤں اور پھر دوست کے پاس چلی۔ مگر وہ

13

میری طرف جھٹکنا لیکن بابا نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا میں نے سے نکل کر اندر
 میں کھڑی ہوئی اور اس سے ہل کے سرک کے لئے جھانکتی رہی پھر مجھے انگار
 بل گیا۔

”مکن ہے وہ زندہ ہوں؟“
 ”نہانکیرتی چاہیں تو ایسا ہو سکتا ہے“ وہ رشتہ ہوئے ہوئے۔
 ”ابا غاموش کلم تم سے ہو گئے پھر جو تک کے لئے“ غمیں کسی نے
 دیکھا تو نہیں؟“

”مگر اب میں صاحب تربیت خریف آدمی ہیں ان کے ایسے دشمن کیسے
 ہو گئے؟ وہ تربیت...“ ابا نے اپنے ہاتھ پر لے۔
 ”میں نہیں شہر میں جھانک رہے تھے تاہم اس نے میں پکڑ
 لیا۔ وہ بہت برے لوگ ہیں۔“

”مکن جھانکے پھر رہے تھے؟ تم کو کہہ رہی ہو؟ والد صاحب نے
 تشویش سے پوچھا۔ پھر وہ یہاں بھی تو آ سکتے ہیں۔“
 ”آپ نہیں جانتے وہ بہت بڑے ہیں پتہ نہیں وہ کہیں بابا کے
 پیچھے چلے ہوئے تھے دیکھ یہاں ان کا ناشکل ہے کیونکہ بابا نے کسی سے
 آپ کا ذکر نہیں کیا تھا۔“

میں اندر ہی اندر کھول رہا تھا کہ ابا ایک معلوم لوگ کیسے سوا لٹ
 کر رہے ہیں۔ انہیں ایسے وقت تو غاموش رہنا چاہیے تھا مگر ابا بہت عجیب
 آدمی تھے۔ اس میں کیا ہے؟

”اس میں کچھ بوجھ اور کچھ کافزات ہیں۔“ کو لے کر لیا۔
 ”میں سے پوچھو؟“ والد صاحب اس سے چھٹی سی گھڑی کے لئے دن
 کیا ہے تو خاصی بھاری ہے۔ پھر وہ اس کی اجازت کے بغیر کھڑی کھولنے لگے۔
 کافزات میں غالباً قیمتی زیان میں آدمی ترچھی کیلین بنی ہوئی غمیں وہ کافزات
 ایک دوسرے کی کافزات میں پٹے تھے۔ گھڑی میں وہ فوجی رکھا ہوا تھا
 جو امین اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرنا تھا۔ ابا نے ہاتھ کھول کے دیکھا تو سب
 کی انگلیں نیڑے ہو گئیں۔ دھن میں جواہر ملک کر رہے تھے۔ میں نے ابا

ادراقی کی آنکھوں کی طرف دیکھا ان کے چہرے کے رنگ بار بار بدل رہے
 تھے۔ کبھی سرخی کبھی زردی کبھی سفیدی۔ ابا نے انہیں غاموش سے گھڑی
 میں باندھ دیا۔ یہ تربیت مہیتی کیسے جابھرمعلوم ہوتے ہیں۔ تھادی ادراک
 کی مخالفت نہ دولوں شکل کام ہیں بہر حال اب تم آگئی ہو تو اللہ مالک ہے
 دیکھیں گے کہ ہوتا ہے۔ وہ بی سانس کھینچ کے لڑے ادراقی سے غامض
 بنے۔ انہیں مخالفت سے رکھو۔

انی نے گھڑی دیکھیں میں نے اپنے سے انکار کیا۔ ابا نے انہیں گھڑی کے
 دیکھا۔ وہ جھٹکنا اور جھٹکے ہوئے غمیں نے اسے اٹھا لیا اور اندر کرے میں
 گئیں غمیز بھی نہ گئی تھی ابا نے اسے کھینچ لیا کہ وہ اپنے کپڑے کو کہہ رہا ہے
 اور میں اسے اوپر والے کرے تک محدود کر کے ٹانگے والوں کی نظروں میں

پر نہ ہو سکیں۔ چھانے چلے کے مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ میں نے
 تو چھتوں چھتوں راستہ تھا۔ اوپر کے کرے میں عموماً میں رہتا تھا۔ وہاں ایک
 پنکھا تھا اندر بڑی جگہ جو عموماً ایک الماری میں میری نصاب کی کتابیں رکھی
 ہوتی تھیں۔ غمیز بھی یہی ہوتی تھی جس میں غاموش اور غم سے تھے۔ کو لڑا غمیز
 نے اپنا لباس پہنا دیا صرف غمیز ہی ایسی تھی جس نے اس کے آسنے پوچھے
 ادراک نے ابا اور ابا کی سانسے نقل ادراقی کے بہت سے چلے ادا کیے۔

غمیز نے اسے لے کر اوپر کے کرے میں چلی گئی اور میں پیچھے گیا۔ پیچھے
 ابا کو لڑا عدم جو رکھی میں آزادی سے تصور کر سکتے تھے۔ ہمارا ”افضل“
 مجھے غامض کیا۔ اس لوگ کا انفعال جلد سے جلد کہیں اور کھینچ لے گا۔ مجھے
 یہ سمجھا لیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے یہ یہاں سے چل جائے نہ کہ کسی
 بڑی مصیبت میں گھر کرے۔ اب اس کی زندگی میں جو عزت اور مرتبہ حاصل
 کیا ہے وہ سب خاک میں مل جائے گا۔ جو اسے کہاں کہاں تک پکڑا نہیں گئے
 جب کہ میں اس کے لیے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ پولیس اسے ضرور دھونڈ
 رہی ہوگی۔ وہ یہاں بھی آ سکتی ہے۔“

”مگر ابا وہ بھاری پناہ میں آئی ہے۔“ میں نے غمیز کو لڑا غاموش کیا۔
 ”وہ تو مجھے سے جو پھر نہیں کہیں پناہ نہیں لے گی۔ اس کے ساتھ قیمتی
 زیورات ہیں اور دن کے اس قسم کے کافزات ہیں۔“

”ابا وہ میری اور معلوم لوگ سے ابھی اس کی عمری کیا ہے؟“
 ”اس کی عمری کیا ہے۔“ ابا نے اس سے باز نہ لیا۔ ”میں نے کہا۔ اس کی تربیت
 تو دیکھو مات میں کاسفر کی تہلے کرتی ہوئی آدمی۔“

”زندگی بچانے کو لیے آدمی سات میل تو کیا بستر پر اس میں جاسکتا
 ہے۔“ میں نے تنہی سے کہا۔

”تم کی ماں؟ کیا تم تو ساری دیر کے لیے غاموش نہیں ہو سکتیں ہیں پیٹے
 سے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے اور فیصلہ کرنے کے لیے جدلیات کی نہیں سکون کی فوج
 ہے۔ مکن ہے؟“ بچی کا گھٹن گمان ہو گیا۔ مکن ہو گیا ہے۔ کیا میں نہیں کہ
 اتین زندہ ہو؟ یا اور بھی بہت ہو سکتا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ غمیز
 خود دیکھنے جا میں مرد آدمی خواہ خواہ پریشان ہو جاتا ہے۔“

”ابا میں کب تک انتظار کریں؟ اس وقت تک کہ کو لڑا کی حالت
 میں بہتر ہو جائے گی۔ ادا بھی پتہ چل جائے گا کہ امین صاحب زندہ ہیں یا۔“

میں نے اپنی زبان قابو میں کی۔
 ”میں نہیں دہر گئے۔“ میں نے مسکائیے کیے لیے میں نے غمیز کو لڑا کچھ
 کرنا ہو گا۔ ابا یہ کہہ کے غاموش ہو گئے۔

میں ان کے بارے میں پوچھا ہوا تھا۔ آج وہ کو لڑا سے گھٹن میں جیسے
 گھٹن لائے کے لیے میں نے صوف چند روز میں لائے غمیز دیکھ لے تھے کہ
 انہیں غمیز کو لڑا بھی شکل تھا۔ وہ کہہ انزل اور بھی بہت ہی ترس پھر غمیز
 تو وہ اس دن سے تھی جب میں نے اسے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ امین مجھے پیچھے
 ہی کوئی چیز میں ملخص معلوم ہوا تھا۔ کو لڑا کے بیان سے اس کی تسلی نہ ہو

گئی تھی۔ وہ مارا گیا اور کراہا اکیلے رہی۔ اب کو لڑا کیا ہو گا؟ اگر والد صاحب
 انکار کو لڑا تو اگر پولیس نے تفتیش کی تو؟ ابا بھی یہ بات کو لڑا نہیں کرے
 یہ گھر سے پھرے گھر کرنا ابا بھی ہے اور ابا بھی کہنے میرا کہ ہے۔ کو لڑا کہ
 آئے اسے ایک جگہ غمیز بھی تھی۔ وہ چند ہی لمبے باقی رہی۔ اب شکرت نے
 ذہن پر قبضہ کر لیا تھا۔ پھر کو لڑا نہیں سوئی۔ ابا بھی ساری رات کھٹکاتے
 لیے ادا میری زندگی تو پہلے ہی اپنا ہٹ ہو چکے تھیں۔

ابا میں نماز کیلئے اٹھے تو انہوں نے مجھے جگہ کے تاکید کر میں
 بدھ گیا کی طرف نہ جاؤں۔ میں نے مانی ہوئی اور سب معمول سیر کیلئے
 روانہ ہو گیا۔ میرا کڑا نام ہے۔ جب کہ کو لڑا دیکھا تھا جس کی خوب موٹی زونگ
 اور کھٹک لگنے لگنے کی تھی کو لڑا بھی ایک مسیحی مسیح کی طرف مسیح مسیح
 کی طرح علامتیں کی طرح مطلق ہوئی تھی۔ کو لڑا غمیز کو لڑا غمیز کو لڑا
 دل کش۔ والد صاحب کی تاکید کے باوجود میرے قدم خود بخود بدھ گیا کی طرف
 آگے گئے۔ میرا ارادہ امین کے پیچھے میں جانے کا نہیں تھا۔ مگر حقیقت حال
 جاننے کا ارادہ تھا۔ بدھ گیا کی رات کا وہی عالم تھا۔ میں کسی کسی قسم کی تشویش
 کے آثار نہیں تھے۔ میں نے دوسرے دیکھا۔ امین کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔
 کیا امین اللہ ہو رہے ہیں؟ میں وہاں جاتے جاتے وہ کیا اگر وہ زندہ ہوتا تو گھر فر
 آتا۔ بدھ گیا کا لالے سے پھر گھر تک کے فاصلہ ہو گیا اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ
 وہ اندر خود پڑا ہے۔ مرنے سے پہلے اس کی چھین کو بھی ہوں گی اور ترب
 کے نہیں کے لوگ مبالغہ گئے ہیں کہ موت کے وقت تو آدمی کو ضرور
 چٹنا چٹا ہے۔

مجھے اپنے چند غامض عالم ساتھی مل گئے۔ اچھا ہوا کہ میں نے کسی
 کو لڑا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ وہ مجھ سے میرے گھروں کے لیے میں ضرور
 پوچھتے۔ انہیں بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ امین کے پیچھے ہو کر پکرت چھایا ہوا تھا۔
 میں بدھ گیا سے جلد ہی داپس آ گیا تاکہ والد صاحب کو شبہ نہ ہو جائے۔ گھر
 میں ابا اور ابا کی کچھ چہرے پر ابھی تک کھڑے تھا اور اس میں کچھ اضافہ ہو
 گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو مجرم سمجھا۔ یہ کچھ پیچھے وہ مجھ سے پوچھنے
 گئے۔ کچھ پتہ چلا؟

”کیسے پتہ چلا؟“ میں نے لگا سا جواب دیا۔
 ”تو میری گئی؟ ابا غمیز کی سے لے کر وہ زندہ ہوتا تو اب کیا
 کو لڑا کی خبر لینے ضرور آتا۔“

”مکن ہے کوئی اور مجھ پر ہو؟“
 ”تم اس کا دل بند نہ کرو۔ میں نے کچھ اچھا نہیں کہا ہے۔ ابا
 ایسی امنیت سے لے کر میرا دل ان کا کوئی رشتہ نہ ہو۔“

”آپ ہی بتائیے کیا کیا جاسکتا ہے؟“
 ”میرا خیال ہے میں پولیس میں بتا دینا چاہیے یا مندر کے بڑے
 پر تربت یا بدھ گیا کے غمیز کو موت حال سے اٹھ کر دینا چاہیے۔ ابا
 بہت پریشان نظر آ رہے تھے۔“

”ابھی سے کسی کے مطلع کر دیں؟ ہم کچھ مفاد بھی نہ کر سکتے ہیں۔“
 ”معاذات جگہ سکتے ہیں۔“ ابا نے متوکل ہو کر کہا۔
 ”کو لڑا پولیس وغیرہ کا سامنا کیا طرح کرے گی؟ ایک ایسی روٹی جس کا
 کوئی سہارا نہیں ہے اسے ہم پولیس کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ قہریلے
 ہی بن جائے گی۔ میں نے تنہی سے کہا۔

”کچھ سمجھیں؟ ابا کیا کیا جائے۔ ایک طرف اس لوگ کا سوال ہے
 دوسری طرف اپنی عزت کا۔ اس لوگ نے تو اچھی خاصی زندگی حرام کر دی
 اور اس کے ذمے دارم ہو کر موت تم۔“ وہ غصے سے لے لے۔

میں نے سوچا کہ ابا کی باتیں کا کیا جواب دوں؟ ان کی نظروں میں
 گھر گھر عزت خاندان عقداور بدواری ہی سب کچھ ہے۔ میں کو لڑا کی
 غیر خبر پوچھنے اور پوچھا گیا۔ غمیز اور دوسری بہنوں کے چہرے بہت
 تاباں نظر آ رہے تھے۔ وہ آگے کو ایک طرح دوامان لیے۔ میں بھی غمیز کیسے
 آتے ہی کر لے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی مگر بہنوں کا خیال کر کے پھر کر
 بیٹھ گئی۔ تمنا رہی کہ پھر کو لڑا انہیں گھرنے کی اصل ضرورت نہیں ہے۔
 کسی چیز کی تکلیف تو نہیں ہے؟ ”میں نے جڑے جڑے لہجے میں کہا۔

”یہ ہم سے اہل ہیں نہیں۔“ فرخ نے شکایت کی۔
 ”ماں ہم سے ناراض ہیں۔ یہاں گئے تھلا کے کہا۔
 ”نہیں نہیں ان کی طبیعت غلاب ہوگی۔“ میں نے اسے ڈانٹ کر
 کہا۔ تم لوگ انہیں پریشان کر رہے ہو گے؟“
 کو لڑا نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔ بہت خرس ہے۔“

ادھر اس کی پڑیاں کا یہ حال تھا۔ ادھر ابا پر غم غامی دوسے
 پڑ رہے تھے تمام ملک وہ تنہا رہتے تھے۔ بول بھلا کتے اور بول بھلا کتے ظاہر
 کرتے تھے۔ انہوں نے یہاں تک کہ کو لڑا کھن سے کو لڑا ہی اپنے باپ کو
 قتل کر آئی ہو اور امین اس کا باپ نہ ہو۔

میں نے تائید نہیں کی کہ واقعی امین اس کا باپ نہیں تھا مگر کیا
 وہ قتل کر سکتی ہے؟ ابا کو لڑا پوچھا تھا۔ انہوں نے میری زندگی میں میں جتنا
 کر دی۔ شام کو میں ایک بار پھر بدھ گیا گیا۔ وہاں تو سلا لگا ہوا تھا کسی کو
 کسی کی خبر نہیں تھی۔ ابا کے غم اور ترش چہرے میں اس بات اور گڑبگڑ۔
 دوسروں کو پھر کر کے ایک کلاس فیلو بری شکستے تھے تباہ کر دھکیلے
 ایک خیمے میں ایک شخص قتل کر دیا گیا ہے۔ ہر کسی کو بدھ گیا ہے۔ اسے ادا
 تھا تفصیل پوچھ پوچھ کر وہ امین ہی تھا۔ بری شکستہ کیان کے
 مطابق خیمے کے کو لڑا پولیس کی ہوئی تھی۔ باتوں میں وہ تربت چھینے کے
 خیال سے یہ واقعہ چھپانے کی ہر گھن کو غمیز کی تھی غمیز بہت سے
 لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ یہ لوگ کچھ ہیں اس کے ساتھ ایک لوگ بھی لوگ
 غائب ہے۔ بری شکستہ نے سنی خبر انداز میں کہا۔
 میں نے جانا۔ ابا غمیز والد صاحب کو جگہ کے دل میں پھر ان کا
 کیا حال ہو گا؟ وہ ادا گھر میں سے گھر جاتے ہی مجھے ابا کی انتہائی خبر تھی

سنی چلی۔ میں کہتی ہوں باوریا لڑائی کب ہمارے گھر میں ہے گی؟
 تھیں کہ بہت تھیں تھاری جوان نہیں ہیں اس کا اتنا بچہ لڑچکے اسے
 کہیں چھوڑ آؤ۔
 "چھوڑ آؤں گا، چھوڑاؤں گا۔ میں نے غصے میں کہا۔
 ایک دن وہ دن میں دن چلتے دن تو ابھی اسی منہ دے دیا۔
 انہیں کہیں سے معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا کھانا کھانے کے لیے نہیں دیا۔
 فریاد کر رہا تھا کہ کھانا کھانے کے لیے نہیں دیا۔
 کہ میں نے انہیں تو نہیں روکا تھا کہ اسے کھانا کھانا کھانا کھانا
 پیل بولی تھی۔ میں بھی کھانے کے لیے نہیں دیا۔
 تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ آج رات ضرور اس سے ملاقات کروں گا لیکن وہاں
 فریاد موزوں ہو گئی۔ کوئی تدبیر تھی کہ میں آتی تو اس نے اگلے ہی دن کہا کہ
 سے یہ کہیں نہ پڑھیں کہ وہ اپنے کسی دشمنے دار کا پتہ بتائے تاکہ انہیں مطلق
 کیا جاسکے۔
 "بات تو میں خود لہجہ چکا ہوں مگر وہ تو کس بات کا جواب ہی
 نہیں دیتی میں روتی تھی۔
 "میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے فریاد کرواؤں
 سے شاید میرے پاس سے نکلتا ہو۔
 "کوشش کرو مگر میری ہمت کھو کر اسے جلد باز سے جاننا
 چاہیے کھانا نہ دینا ہی تم ہو گیا ہے۔ میں گھر سے باہر نکل نہیں سکتا کھانے
 میری دم بھری ہوئی میں کیا واقعہ پیش آ جائے۔
 "تھک چکی ہیں اس سے بات کر لیا ہوں۔
 اپنے فریاد کو آواز دے کر کہنے لگی۔ میرا حال چھوٹے ہوئے میری
 حالت دگرگوں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کا کوئی نہیں ہے کہ اسے تنہائی
 میں ملے گا خیال ہی مجھے نہ تھا کہ میں ہلا کے بنے تھا میں اس سے کیا
 کہیں گا اور وہ کیا جواب دے گی؟ مسئلہ تو یہی ہے کہ میں نے اسے نہیں دیا
 نہیں تھے۔ میں اوپر پہنچا تو کراہ کر سو رہا تھا۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور
 قیصر سے اس کے آس پاس بیٹھ کر رہی کہیں ہو کر آئے مجھے خود ہی دنا آ گیا۔
 "میں نے گھر والوں کو بہت پشیمان کر دیا ہے۔
 مجھے معلوم ہے کہ ان کا میں بڑا بڑا ہوں۔ میں نے بھاری ہونی آواز میں
 کہا لیکن اب بھی کہا ہے میں دنیا بھر کا بھلا کر سکتا ہوں۔ میں نے سوچا ہے
 میں انہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔
 وہ میرے سے بڑا چڑھنے لگی۔ "میں نہیں ہوں یہیں نہیں چلیں گی۔"
 "میں نہیں جانتا ہوں کہ تم نہیں ہیں۔ مجھے اپنے اپنے میں کچھ اور
 بتاؤ۔ وہ کہہ کر انھیں اس سے الگ کر دیا؟ میں نے تم سے کہہ لیا
 والد صاحب کہانی ہیں اور صرف مجھے بتانا چاہتی ہو۔
 "وہ انہی لوگوں میں سے کوئی تھا جو میرے دھماکے دوست ہیں وہ
 مجھے ملنا چاہتے ہیں اس لیے ان کا فائدہ اٹھانے میں مجھے نہیں ملے گا کہ

لاکے دیے ہیں۔
 "وہ تھیں کہیں ملنا چاہتے ہیں اور وہ کا فائدہ کیسے ہیں؟ میں نے
 تیزی سے پوچھا۔ ادھر یہ زورات کس کے ہیں؟"
 "یہ زورات ہمارے ہیں میرے۔ بابا انہیں نے چلنے دیا۔ انہیں
 ساتھ لے لیا تھا۔ کا فائدہ میں کوئی خاص بات ہے جو مجھے نہیں معلوم
 انہیں بابا بار انہیں دیکھتے تھے اور کسی میں پڑ جاتے تھے وہ لوگ
 اس لیے ملنا چاہتے ہیں کہ اپنے باپ کی موت کے بعد بھیلے کی مراد
 کی حق دار ہیں ہوں ہمارے ہاں یہ ہوا ہے کہ اگر کسی مراد کے ہاں موت ہو
 پیدا ہوتی ہو تو وہ وہی بہت ضرور ہوتی ہے مگر اسے اس وقت کی مراد ہی نہیں
 سوتی جاتی جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے۔ پھر اس کا شوہر اس کے نام
 پر مراد ہی نہ رہے۔ میرے باپ بہت مہمل اور ایک تھے۔ قبیلے میں کسی
 خاندان کے مراد کے لڑکے ہیں۔ ایک ہندو مراد میں میری ماں سے
 بہت پرانی تھی۔ اس لیے انھوں نے ان سے مراد کی شادی نہیں کی۔
 میری ماں میری پیدائش پر مراد ہی میرے باپ نے شادی نہیں کی اور مجھے
 پڑوس کر کے لیے۔ انھوں نے قبیلے کے سر کے ۱۲ انھیں ان کو میرا
 آنا دیکھا۔ قبیلے کے کسی لوگ ان کے انصاف اور دم کے باعث ان سے
 جنت کرتے تھے مگر میرے چلنے انھیں مارا اور وہ مراد ہی میرا چھوڑا
 نے مجھے ہی مانا چاہا کہ میری شادی ہو جائے۔ اسے مراد ہی میری چھوڑی تھی۔
 ہمارا قبیلہ بہت بڑا ہے۔ ہمارے ہی میں ہیں۔ ان کے حالات میں میں نہیں
 لے جا سکتا تھیں کہ میں نے یہ سب باتیں کر لیں تھیں۔ ان کے تھکے تھے۔
 ہاں میں نے وہی مراد ہی میرے پیچھے پڑے تھے۔ مجھے ہی مائل کرنا چاہتے ہیں
 اور کا فائدہ تو میری فکرت نہ چاہتے ہیں۔
 "وہ تھیں مائل نہیں کر سکیں گے۔ میں نے بڑے غم سے کہا۔
 اب قبیلہ ضرور میں انہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ بہت دور سے جاؤں گا۔
 میں تمھاری خاطر سب کو چھوڑ دوں گا۔
 "میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ مر جاؤں گی۔
 "تم تو میری مر جاؤں گی۔
 "میں کیا کریں؟" وہ ساک سے بولی۔
 "تم ایسا کرو کہ آج رات جاؤ۔ میرے پاس چلی جاؤ۔ میں سے ایک
 گاڑی جاتی ہے میں انہیں جہیز کا خرچہ دے جاؤں گا۔ تم بڑے بہن کے کیر
 ساتھ چلو۔
 "میں کوئی دیکھنے کا راز کے وقت نکلتا مشکل ہوتا ہے۔
 "دن کے وقت نکلتا کوئی آسان آسان ہوتا ہے۔ مجھے ہی نہیں دیکھیں
 گے مگر تم تو بڑے بہن کے ہوں۔ لوگ۔ ان کے گھر کا تم جہیز میری کوئی
 بہن جہیز ہے۔ میں اپنی بہن کے ساتھ ان کا راز دیتا ہوں۔ ہم ان کے پر
 ڈال دیں گے لیکن دن میں گھر کے لیے نکلیں گے۔ رات کو گاڑی کے وقت
 تو یہی نکلتے ہیں میں ایک سو فیصد میں کیرے تیار رکھوں گا اور کچھ نقدی

انہی کرنی ہوگی زورات تو میں نے سبے چاہئیں۔
 وہ منع کرتی رہی اور وہی نہیں ہے اسے بات کی کہ رات کو
 وہ میری کوئی دیکھتا ہے۔ مجھے اگر اس نے والد صاحب کہا ہے اس
 کا کوئی حق نہ ہو تو میں نے۔
 "یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ متامل میں بولی۔
 "وہ یہی کہتی ہے۔"
 "اُسے کہنے دو۔ انھوں نے ڈپٹ کر کہا۔
 "مجھے تو وہی مراد معلوم ہوتی ہے کہ میں نہیں ہوں اس سے صاف کہہ دو
 کہ وہ اپنا ٹھکانا چھوڑے۔ وہ نہ نکال باہر کرو۔ اتنی نہ کہا۔
 "ایسا ہی کرنا چاہیے گا۔" میں نے امانی سے کہا۔
 دن کے وقت چپکے سے میں نے جہیز کے کپڑے خزانے کچھ اپنے
 کپڑے رکھے اور ایک سوٹ کپڑا کر لیا۔ میں نے اس کا کوئی ٹھکانا نہیں کیا پھر
 میں نے وہ دھابھی رکھ لی جو انہیں نے مجھے دی تھی۔ یہ سب کام ہو گیا اب
 مجھے رات کا انتظار تھا۔ میری طرف خاصی تھی۔ رات کا ایک موقع پڑی لوگ کے
 ساتھ گھر سے نکلا۔ آسان کا ہم نہیں تھا کوئی ہی مجھے دالا دیکھ سکتا تھا مگر ان
 تمام اندیشوں کے باوجود مجھے رات کا انتظار تھا۔ میری ہر کب تھا اسے
 تھکے تھے۔ یہی خبر میری کہانی تھی۔ اب اتنی دیر یار کریں۔ آتا تھا یا کریں۔ یہیں
 یاد کیا کر لیں۔
 آج رات کے بعد میں گھڑی دیکھ کے اٹھا۔ سب نے مجھے تھے۔
 میں نے ننگے پیر لے کر سوٹ کپڑا کر لیا اور دھابھے کے پاس ننگے رات
 کو کھڑی میں نے کھلے ہتھوڑے کی پٹی چھوٹ کر اوپر لگا دیا۔ ہلکی سی دھک دے
 کر اوپر اٹھ کے باہر نکل گیا۔ ادھر مجھے سے فطرت کے لیے کسی اپنے والے سے
 بازو جوں میں ہے اس کا ہاتھ چوکے کھینچ لیا۔ جہیز کے سیٹل میں میں نے
 سوٹ کپڑا کر لیا۔ مجھے ہر ہر نیچے آئی۔ بڑے اور وہ لوہے میں نے
 سرگرمی میں کہا ہے بڑے اور اٹھا نہیں آتا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں اس
 کی مدد کی۔ پھر ہم دونوں دیکھتے ہوئے نیچے آئے اور کوئی آہٹ پہلے کے بغیر
 ڈپٹ کر میں اس کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ میں نے دروازہ آجکی سے کھولا اور کرا
 کا ہاتھ پڑے۔ میں نے ہلکا سا ہلکا کر کے میں نے ہلکا کر دیا اور وہ کھینچ
 کھول کے جہیز کے سیٹل کے پتھر لے کر پتھر لے کر ہلکا کر دیا۔ ہلکا کر کے میں نے
 سے مراد کر لیا۔ میں نے شادی میں ہی اپنی ہر کب میری عمر ملے سال سے
 کسی تھکے تھکے معلوم ہو رہے ہیں کہ اس کی عمر میری عمر ملے سال سے
 بڑی تھی۔ ہم انداز میں میں نے تھکے تھکے غامی شکل لے کر کسی نے میں
 جب سے دیکھا۔
 "ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پڑے۔ میں نے ہلکا کر دیا۔
 گایاں جانی ہو جاتی تھیں۔ میں ان کی گلوں سے بڑا دل باز تھا۔
 گلوں سے وقت بڑے عجیب اور ڈروائی غم جو رہی تھیں۔ دروازہ آہٹ
 ہوئی تو ہم سانس رک کے اندر میرے کی آڑ میں ہر جاتے۔ پتا نہ کر تو دل لرز

جاتا۔ ہم گھر سے غامی طور نکلتے آتے تھے مگر ابھی تک ہر ملاری تھا ایسا
 معلوم ہوتا تھا۔ میرے قدم پر کوئی ہمارا تھک کر رہا ہو۔ میں خود اپنی آواز
 اور بہنوں سے خوف آ رہا تھا۔ گلوں میں انھیں جہیز کے کپڑوں کی
 ہلکی جالیوں سے سب مار رہا تھا۔ وہ غلط انداز نگاہ ڈال کر وہاں پر
 میں سرگرمی کے سر پہ جب وہ مڑتے تھے تو ہم خاشاوش سے کھڑے
 ہر جاتے اور ان میں ہم بڑے ترس جاتا۔ کراہنے سے زیادہ یہی ہوتی تھی۔
 "گھر والے چلو۔ اس نے ایک بچہ میرا ہاتھ دھک کر دھک کر دیا۔
 کئی بار خود میرے ذہن میں گھر والے کا خیال آیا تھا۔ وہاں
 کھلا ہوا تھا۔ گھر میں سب سو رہے ہوں گے۔ ہم بڑی آسانی سے اس جا
 سکتے تھے۔ اور اس اذیت سے نجات پاسکتے تھے۔ کوئی بھی نہیں دیکھ
 لیتا تو ہمارا کیش ہوتا۔ ہم تو نہیں کے دھبے غم اور غصے میں آتا تو
 میں نے رات کو جانی میں کھانے کو کراہیں گے۔ سرگرمی جانی میں
 میں نے رات کو جانی میں جواب دیا۔ بابا ہاتھ مارا سا ماسترہ گیا۔
 میں نے جھوٹ کہا تھا۔ گلی کے پتھر سے اسٹیشن کراہت ڈھیل کے قریب
 تھا اور یہ ڈھیل ہمارے لیے دھک دھک اور ہر اسٹیشن کے میں تھے۔
 آگے بڑھتے رہتے۔ پتھر سے راستہ بدلے ہم وہاں تک پہنچ گئے
 جہاں تانکا ملے گا مکان تھا۔ کوہان گھڑا اور اس کا سب بندہ تھے۔
 میں نے جہیز کے ایک تانکے دے کر انھیں جہیز سے ہم پر ہاتھ رکھا۔
 اس نے چونکہ کرا نہیں کھل دیں۔ کہاں جانا ہے؟ اس نے انھیں
 کھینچے ہوئے رہی سے پوچھا۔
 "اسٹیشن۔ میں نے اپنی آواز بھاری بنانے کی کوشش کی۔
 "مجھے آہٹ نہیں ملنا۔ اور دوسرے تانکے دے سے پوچھ لیجئے۔ یہ
 کہہ کر اس نے ایک کامیابی اور کچھ سونے کی تیار کر کے رکھا۔
 "کتے پیسے لوگے؟" میں نے اس کی بات نظر اٹھا کر کہہ کہا۔
 "میں نے آپ سے کہنا یا باجی۔ مجھے آہٹ نہیں ملنا۔"
 "دروہیہ لوگے؟"
 اس کی انھیں کھل گئی اور اس نے غم سے چھوٹا چھوٹا۔ میں بڑے
 دیں گے باجی۔ رات کا وقت گھر کا تھا۔ کھانا ہے؟
 "چلو تھک ہے۔" میں نے اس سے سخت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔
 حالانکہ یہاں سے اسٹیشن تک کا بہت زیادہ کٹا تھا۔ اس وقت وہ گھر سے
 سو رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں سے کھانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ ہم تانکے میں
 بیٹھے تو اس کی کچھ بولی۔ دل تانکا میں آئے۔ گھر رات کے وقت سرگرم
 پر صرف ایک شہ۔ تانکا تانکے اور کٹن کا شوہر۔
 "کہن بہن گے باجی۔ وہ تانکے دے لے گھر کے کچا کچا لگتے
 مجھے تو پھر مجھے اندیشہ تھا کہ رات میں تانکا لگنے والا اپنی مادرت کے ملایا
 سرال جواب ضرور دے گا۔ گھر کے کراہنے کے کارڈ پر ملنا ہے گا۔
 اس کے سوال پر میں سوچنے لگا کہ کیا جواب دینا چاہیے۔ میں کہاں جا رہا ہوں

مکلتے کا ذکر بہت سوں میں ثابت ہوا اگر کوئی نے خود مکلتہ میں لکھا
تھا کہ میں اُسے امیر شہر کے بابے میں بہت ہی دلچسپ باتیں کر کے چکا تھا
رہا آخر استیشی تک راستہ ہی میں گاؤں کے محلے میرے سفر اور کار
کے متعلق کوئی سوال کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یقیناً بات اس کے لیے صرف
ہو اگر کسی سفر میں خانہ امیر اس کی کو خود مت کرنے کے لیے استیشی

بہت ممکن تھا کہ حملہ کا کوئی شخص کوئی شے دیر یا کئی شتا
بھی آج کی گاڑی سے کلکتے جا رہا ہوا اس لیے میں پلٹ فام سے بہت کرکلی
سنان میخ پر چڑھا لیٹا تھا اور میں نے اپنے چہرہ اس طرح جھکا لیا جیسے
مجھ پر نیند کا غلبہ ہو چکے ہو بھی ہندوستان کے کچھ لوگوں کو کہنے کے لیے
آئے ہوں کہ اٹھنا اور کھانا کھانے کے لیے اس طرف نہ جاتیں جب تک کہ ان کے لیے اس
سے حرکت نہ کرتی ہو یہ لیے سکون ممال تھا۔ ہندوستانی کے سادہ رسا میں

مہلی ٹپڑاتا ہوا چلا گیا۔ وہاں سے تھیلوں کا بھی حال تھا۔ وہ جگہ
خواب کرنے کے جانے ایک دوڑے ایٹھ لیتے تھے گاڑی میں کافی ہی بگڑ
پڑی تھی۔ جتنی سروس تھی۔ اتنی جگہ بھیجے کہ مہلی میں کر سکتا تھا سروس
کے لیے گاڑی میں علیحدہ ڈبے سوتے تھے۔ مینے سوچا کہ اگر وہاں چاروں
گاڑوں پر مہلی محفوظ رہے گی۔ غور میں اسٹیشن پر اس کے اس کی غیبت نہایت
کرنا سبوں کا مگر سروس کے ڈبے میں کہو کہ انقلاب اٹھانا لازمی تھا۔
عورتوں کا پورے گھیر کر بھی یقینی تھا کہ اگر کسی ہندوستانی خاصی صاف تھی
مگر اتنی ہی نہیں۔ میرا ہندوستان میں میرے مسلمان عورتیں صاف
آزد و یا ہندوستانی میں بریلیٹیں ڈورے تھا کہ اگر ڈبے میں کوئی مسلمان
عورت مخری تو اور کس لئے اور کھڑے سوالات شروع کر دیے تو کہ اگر
جواب نہ ملے۔ سب نے مانے میں نے پاس جمانے میں بھی غلط تھا۔ ڈبے میں
تمام لوگوں کی نقویں اس برقع پہنیں لو کہ ہر جماعتیں کی اور غلو خواہ کی
انجلیں پیدا ہوں گی۔ ایک برقع پوش مسلمان لڑکی کا مرنے ڈبے میں
سفر کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں اس کشش و پچ میں گرفتار تھا۔ جیسے جیسے

کسی کو ایک خبر بھی کر مقرر میں ایک ہزار بی بی جونی ہے۔ اگر وہاں
اٹھائے تو سسٹیشن پر پہنچی کر مقرر کے اور سب کچھ پتہ چلتا ہے یہ احساس کہ
میرے پاس ایک ہزار ہونے میں حال کا خزانہ، ایک بہت ہی خوب صورت
لوہی جی احساس نہایت تہا کے وقت میرا سہارا بنو تھا۔ جتنا
میں نے ابا کا تکیہ ضرور الارام دی چاقو جی سامان میں رکھا تھا
یہ چاقو دستے کے اوپر ہی جیسے پر لگا ہوا پیتل کا ایک چھٹا سا کھانے
سے کھٹ سے کھل جاتا تھا۔ آفرانی کے موقع پر اسے نکال استعمال کرتے
تھے۔ میں نے سوچا یہ چاقو بی بی کو بھی میں اپنے دور کے فرماں کا ٹروں
میں اس طرح کی باتیں سوچتا رہا کہ کہہ کر آنے والے مالوں کی نظر میں ناقابل
برداشت ہوئی تھیں۔ مجھے غصہ تھا، غوغ تھا، غوغ تھا۔ مجھے پریشانیتیں
خواب تھیں۔ سسٹیشن پر نہایت جونی لگی، گاڑی کی آمد کا غلط ہوا، مغرب
کی طرف سے آنے والی گاڑی کی روشنی ایک ٹکے سے غلط کی صورت میں
بھری یہ نقطہ تہہ کیچ تھا کہ سب لوگ گاڑی کی طرف جھپٹ پڑے
میں بھی سرف کیں اٹھا کے بیچ سے اٹھا مگر میں نے اپنی وحشت کے بجائے

تخل سے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا، مستورات کے ڈبے کے اوپر ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ رات کے وقت وہ تصویروں کو جالی بنی میں نے گاڑی پر ایک سرسری نظر ڈالی، رنگ ڈھون پر ڈبے پر ڈبے تھے، جانے والوں کو بھی جلدی تھی تاکہ ان کو بھی گاڑی میں کوئی پت نہ پڑے۔ ٹھیک تھی مگر لوگ بہت لمبا لنگی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ میں نے دیکھے بھی سوچا کہ یہ کون سی گاڑی ہے، تاکہ یہ باتریوں کی سرسری کے لیے آئے نہ لے رضا کا خطاب بلکہ سسٹن سے مل جائیں۔

جہاں سے سامنے عورتوں کا کوئی ڈبہ نظر نہیں آ رہا تھا میں نے گورا کو اشارہ کیا اور تیزی سے ٹھن کی طرف جانے لگا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے پیچھے ڈبے ڈھنڈھتے چلتے آگے بڑھ رہے تھے اور میں کچھ خبر نہیں تھی کہ قدم کس سے تیزی سے پرے ہیں۔ اچانک کسی نے زور سے میرا بازو پکڑ لیا، میرا دل دھک سے رہ گیا۔ گورا نے سے پیچھے تھی وہ وہاں ٹھنک جی جہاں کھڑی تھی۔ ایک لمحے میں جیسے ہر طرف اندھ اچھا کیا مگر دوسرے ہی لمحے میں نے خود کو سمجھا لیا، وہ میرا کلاس فلورنگ ٹین تھا۔ کہاں ہے اس کی آواز مجھے نہ رہی۔ "کچھ نہیں ذرا بردار، تک دو تین روز میں آج آؤں گا۔" میں نے گورا کے جواب پر یہ کہ تم نے کس سے مجھے جہاں کو تو نہیں دیکھا ہے؟ "نہیں، کیا وہ تین دن پہلے ہے؟ اس نے سہڑی تھی۔"

"شاید یہاں کے ساتھ ہو۔" مگر ہٹے ہاتھوں کو میں نے دیکھ لیا۔ گئی جوں ہی اچھی کو تلاش کر رہا ہوں۔ اس نے میری دیکھا ہٹ عموں کر لی تھی۔ قریب ہی جی ہوتی گورا کھڑی تھی۔ "سب سے پہلے اس نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"ہاں اب تم ایسا کر دو جگہ میں! ذرا گاڑی کے آگے سے تک چلے جاؤ، ٹھن سے چھڑنا بھائی تمہیں نظر آجائے۔ میں ادھر بیٹھا ہوں۔ یہ کہہ کے میں نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور آگے بڑھ کر کچھ دیکھنے ڈبوں میں جھانکنا جو مجھے سے دور ہوتا گیا۔ سب سے آگے کے ڈبوں میں جو عورتوں کا ڈبہ تھا میں نے دیکھ کر اسے کہا کہ وہ کسی سے بات نہ کرے۔ گوری اور میری بی بی ہے۔ گوری میری صیحت مگر میں بلانہ کے سر ہلاتی ہوئی ڈبے میں داخل ہوئی خوش قسمتی سے مگر کہیں بھی اسے امانت کے مطابق ان میں مسلمان عورتوں میں موجود نہیں، میں نے کوئی سے جھانک کر دیکھا۔ گورا کچھ پھر بھی نے منہ نہ کیا کہ وہاں کی عورتوں میں غلط کا سبب بنی تھی۔

میں نے عورتوں کے برابر سے ڈبے میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر مسافروں نے مجھے اندھا بناتے ہوئے دیا۔ میں جیٹا چلا گیا۔ ہاتھوں نے سامان ہی وہ اس کے نزدیک دیکھا تھا تاکہ وہ اسے آسانی سے دھکیل سکے۔ "جگہ نہیں ہے کوئی اور آباد کچھ۔" ایک گرجہ دار آواز آئی۔

"جناب! میں کھڑے ہو کر لوں گا میں نے اپنا کمر دھرا دیا دیکھو میاں! ایک مولوی صاحب نے کہا۔

"جناب! مجھے بس ذرا سی جگہ چاہیے میں آگے سیشن پر آتا ہوں گا۔ گاڑی چلتے والی ہے میں وہاں تک ہوں کہ آپ کے آرام میں خلل نہیں ہوں گا۔"

"میاں آپ سے کہہ رہا ہوں یہاں بالکل جگہ نہیں ہے؟"

"مولوی صاحب! آپ کو تو سنا ہی ہوئی تھی۔ میں نے لڑائی سے کہا۔

"کہاں! اتنا بے جا کہ آپ نے سیشن پر آنا نہ چاہا۔"

"جناب! جانا تو دور ہے مگر میں آگے سیشن پر آنا چاہتا ہوں۔"

"ڈبے میں کچھ جگہ نہیں ہوتی، مگر فرما سنا ہے۔ ایک صاحب نے سامان بتایا، دوسرے نے دروازہ کھولا، تیسرا اوپر کی پتھر پر لیٹے حکومت کو تھکا دیا۔ مولوی صاحب بھی بدلا ہے۔ ڈبہ دھانڈا دھانڈا کھلاؤں میں کئی طرح اندر داخل ہو گیا۔ ڈبے میں اتنے زیادہ مسافروں تھے مگر ایک پرچہ پر دو دو آدمی سوتے تھے کچھ فرش پر بٹا رہے تھے، میں بیت اللہ کے نزدیک کھڑا ہو گیا۔

"صاحب! ذرا آگے آ کر سہارے ہو۔" مولوی صاحب نے پوچھا۔

"نہیں ساتھ میں ہی ہیں۔" میں نے تھک کر جواب دیا۔

"ہاں، وہاں ہیں؟" انھوں نے تشریف لے لیا۔

"ساتھ والے ڈبے میں۔"

مولوی صاحب نے کمر سوج کر کہا، اچھا۔ میاں! مسافروں کا حال عجیب ہے، سب ایک ہی ڈبے پر چل پڑے ہیں۔

یہ آگے سے ہیں اور بے آرام کرتے ہیں۔

میں سہارہ دے گا کہ اگر آپ، کسی شائستگی سے مجھے آواز دی۔

میرا دل زور سے دھڑکا۔ وہ جگہ میں ہی تھا، مگر بخت پیچھے چوکیا تھا۔

"بابر! اس نے کوئی کہہ نہ سکا۔

میں نے جواب دینے سے گریز کیا مگر اس نے مجھے دیکھا تھا میں آگیا ہوں۔ میں نے بے بسی سے کہا۔

"کچھ نہ لیا گیا۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"ہاں! میں نے سنا ہے کہ آپ نے سیشن پر آنا چاہا۔"

"جناب! جانا تو دور ہے مگر میں آگے سیشن پر آنا چاہتا ہوں۔"

"ڈبے میں کچھ جگہ نہیں ہوتی، مگر فرما سنا ہے۔ ایک صاحب نے سامان بتایا، دوسرے نے دروازہ کھولا، تیسرا اوپر کی پتھر پر لیٹے حکومت کو تھکا دیا۔ مولوی صاحب بھی بدلا ہے۔ ڈبہ دھانڈا دھانڈا کھلاؤں میں کئی طرح اندر داخل ہو گیا۔ ڈبے میں اتنے زیادہ مسافروں تھے مگر ایک پرچہ پر دو دو آدمی سوتے تھے کچھ فرش پر بٹا رہے تھے، میں بیت اللہ کے نزدیک کھڑا ہو گیا۔

"صاحب! ذرا آگے آ کر سہارے ہو۔" مولوی صاحب نے پوچھا۔

"نہیں ساتھ میں ہی ہیں۔" میں نے تھک کر جواب دیا۔

"ہاں، وہاں ہیں؟" انھوں نے تشریف لے لیا۔

"ساتھ والے ڈبے میں۔"

مولوی صاحب نے کمر سوج کر کہا، اچھا۔ میاں! مسافروں کا حال عجیب ہے، سب ایک ہی ڈبے پر چل پڑے ہیں۔

یہ آگے سے ہیں اور بے آرام کرتے ہیں۔

میں سہارہ دے گا کہ اگر آپ، کسی شائستگی سے مجھے آواز دی۔

میرا دل زور سے دھڑکا۔ وہ جگہ میں ہی تھا، مگر بخت پیچھے چوکیا تھا۔

"بابر! اس نے کوئی کہہ نہ سکا۔

میں نے جواب دینے سے گریز کیا مگر اس نے مجھے دیکھا تھا میں آگیا ہوں۔ میں نے بے بسی سے کہا۔

"کچھ نہ لیا گیا۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"ہاں! میں نے سنا ہے کہ آپ نے سیشن پر آنا چاہا۔"

"جناب! جانا تو دور ہے مگر میں آگے سیشن پر آنا چاہتا ہوں۔"

"ڈبے میں کچھ جگہ نہیں ہوتی، مگر فرما سنا ہے۔ ایک صاحب نے سامان بتایا، دوسرے نے دروازہ کھولا، تیسرا اوپر کی پتھر پر لیٹے حکومت کو تھکا دیا۔ مولوی صاحب بھی بدلا ہے۔ ڈبہ دھانڈا دھانڈا کھلاؤں میں کئی طرح اندر داخل ہو گیا۔ ڈبے میں اتنے زیادہ مسافروں تھے مگر ایک پرچہ پر دو دو آدمی سوتے تھے کچھ فرش پر بٹا رہے تھے، میں بیت اللہ کے نزدیک کھڑا ہو گیا۔

"صاحب! ذرا آگے آ کر سہارے ہو۔" مولوی صاحب نے پوچھا۔

پڑے ہوئے سہارا ایک منہ و سب سے پہلے جاگا۔ مجھے اندازے کی اجازت آئی ہے تھی۔ پھر مولوی صاحب! سیشن پر چلتے ہوئے اٹھے دھڑکنے کے بعد جیسے ہی انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

انھوں نے منہ اٹھایا، انھوں نے دیکھ کر ہوشی

[illegible]

مجھے بھی قریب ہی جانا پڑا تو میں میں تلاش کرتے ہی باب
نہاں کے آنے کی تمہیں خبر ہے۔ آدھ گھنٹے سے زیادہ مجھے اس گڑھی
پہلے ہی آدھ گھنٹے ٹیٹ آئی ہے تو وہاں اب گڑھ راج نہ میں تو
آپ مولوی صاحب کے ساتھ رہ لیے گا یا نہاں بھی برا نہیں ہوگا۔
”شکریہ جناب آپ کہاں تو مت کر کے میری خیال ہے میں
”یاد اور خاک رکھ لوں۔ آپ اب وقت ضائع نہ کیجئے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔
”تکلیف کا تم نے عرب ذکر کی تم تو غیبت کرنے لگے۔ ماہاں! اب
آدی آدمی کے گاؤں آسے میں یہاں سے اس وقت تک میں ملوں گا جب
تک تمہارے ماں جان قلعہ میں نہیں آئے گی۔ پھلکرتے سے صاحب زادہ
بہت خوش شہر ہے یہاں بذات جنتا ہے میں آدی کھانا ہے تو
چاہیں چلنا۔ دیکھتے ہو، لوگ جگے جگے ہیں، بددھرم دیکھو
آدی ہی آدی نظر آتا ہے۔
مولوی صاحب سچ کہتے تھے۔ میں نے کہا میں پڑھا تھا کہ
انسان گردہ پسند تو کہتا ہے یہاں تو اتنے لوگ تھے کہ دھشت چمٹے
گئی تھی۔ مجھے جس راعس میں ہوا، مولوی صاحب کو اسلکس ہو گیا تھا۔
وہ تو نہاں کے ایک بیٹے پر بیٹھ گئے تھے۔ میں نے کہا کہ بھی ان
کے ساتھ چلنا زیادہ مری جھڑی بھی مل جھڑی بھی پندہ منت اور
کر گئے۔ میں نے چھ مولوی صاحب امر لکھا کہ وہ مگوں کی خاطر اپنا
وقت برباد کر کے خود نہاں آسے اس کے ساتھ چلنا تھا کہ میں نے
ان کے ساتھ باہر نکلیں اور کرکول اسٹریٹ میں ماں جان کو تلاش کر لیں
ماں جان کا نام اب کبھی وہاں ہے۔ وہ اجاں کے مڑے سے پیا پی ہیں
اور اس سلسلے میں اہل ہندوستان کے مختلف شہروں میں جانا
پڑا ہے۔ یہاں میں نے پہلے ہی مولوی صاحب کو تادی نہیں پہلی
قسم میں ہی دیکھا تھا کسی میں مولوی صاحب موجود تھے۔ میں نے اس
بڑے وقت کو کراساؤتے ہوئے نہاں سے مولوی صاحب کے ہمراہ شین
سب سے پہلے نظر میں شہر کا کوئی اچھا ٹرنڈی پھرتے میں ہوا۔ اب اس کے
مرج چھترے چھترے شہر، نقیسات اور رہنمات دیکھتے تھے یہ تو رہا ہی
اور جی۔ میں نے پہلے ہی سے کہہ کر اہل مولوی صاحب نے ایک
نیلی روک لی تھی تو وہاں ٹیڈا آؤں نے میرے گاڑھے پر پناہ دے رکھے تھے
کہا میں اور کراساؤتے میں قریبی کے بڑوں کی طرح پھیل شست پر بیٹھ
گئے۔ مولوی صاحب ڈاکٹر کے قریب بیٹھے تھے کچھ سامان دیکھ میں
رکھ دیا گیا تھا اور کچھ ہم نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔
میں سوچتا ہوں، مولوی صاحب بے چارے ماں جان کی تلاش

”جنگل میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا۔ مولوی صاحب چلے کر آئے۔ مکان ٹوٹنے لگا ایک کمرے کا انتظام خزانہ گروں نے کیا ہو گیا ہے۔ میرے گھر کو لے گئے تھے تو تھرا سے مہلوں جان کی فکر کی تھی۔ جہاں ہے۔ یہ نہیں کیا حادثہ ہوا؟ خدا پرست کرے۔“ انھیں تھا راتوار غلط لگنا چاہیے تھا۔ میں خاموش رہا اور شیئ سے کہنے کا لفظ یاد کرنے لگا۔

”تو میں ہی حاضری سہولیاں، فراموش، بسیں، ہاتھ کواہیاں نہر گنگا، ان دوہیں بھول، بڑے بڑے لورڈ بیٹھے پلے، کالے، ہرے سفید، سرخ رنگوں کا ٹھکانہ مولوی صاحب کے شاہی رنگی ایک بڑی ٹھکانہ کے قریب ٹھکانہ مسجد سے ملتی عمارت میں مدرسہ تھا، مدرسہ مندرجہ ذیل ٹھکانہ کے مولوی صاحب اور خیر کر کے چلے گئے۔ میں نے سہولیاں میں سے فرار ہو جاتا ہوں مولوی صاحب کا سامان بھی کبھی میں رکھا تھا، یہ کہاں پھرتا رہا اور ٹھکانہ والے سے کیا عذر پیش کرتا۔ مولوی صاحب جلد ہی واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ ایک اور دراز پیش بزرگ تھے انھوں نے سامان اتارنے میں مدد کی۔ کراچی بھی انھی صاحب نے دیا تھا پھر ہمیں ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا جس میں ایک مہکلا اور دروازہ تھا۔ کمرے میں صرف ایک پانی کی تختی تھی اور اندر کھانا کمرے کے باہر کھانا ملا بھی تھا۔ ایک طرف باری خاندان اور صلہ خاندان رشتہ کرنے پر کوہ کچھ ایسا بارگاہ اسلام میں تھا۔ میں باہر چلا جاتا ہوں۔ مولوی صاحب نے چاہا پانی پرستہ بھی کہہ دیا۔ عزیز سے کوہ رحمان سے نہیں، بلکہ رشتہ داروں یا کئی دوستوں کو لے کر ہم لوگ کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ میں چیز کی ضرورت ہو، صاف، تولیہ، لٹرا، وہ صاب میرے سامان میں موجود ہوتا ہے۔ اچھے اچھے مہربان آدمی کے سامنے کوہ کرا کا پڑا تو ادراستہ جیسے تھا مگر میں نے اس بات میں کیا۔ میں مولوی صاحب کے ساتھ کھانا لینے کے لیے دوڑا ہوا، پیچھا محفوظ تھی۔ میں نے ارادہ کیا کہ مولوی صاحب کو صاف صاف بتا دوں مگر جہت میں چوٹی اتنے افسانے تراشے تھے کہ حقیقت بیان کرتے ہوئے درگج تھا۔ یہ سہلوں کا مٹا تھا۔ مولوی صاحب نے فدا پر تکلف کا اثر دیکر کوہ کرا کو ان کی کالوں کی عادت نہیں تھی۔ میں نے ساتھ ہی اس کے بیٹے کی ڈال دی۔

جب کہ کھانا اندر داخل ہوئے تو ہمیں میں ایک اور چار پاتی رکھی جا چکی تھی۔ مولوی صاحب بھی میں پیچھے میں کوہ کرا کے لیے کھانا لے کے اندر چلا گیا، اس کے یہاں کچھ سے تھے اور وہ میری بہن بیٹی کا کلاس بنے ہوئے تھے۔ میں نے سنا دیا، اس میں اس میں تو وہ کوئی جز معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے اس کے سامنے کھانا رکھا اور خود مولوی صاحب

”یہ تو مجھے خوش معلوم ہے۔ شہر کو بہت خراب ہے۔ ہمارا اس کے
چکر لگا کر اس میں مرگنا کچھ مجھے خیال آکر نہیں خود ہی حوصلہ شکنی کی باتیں کر
رہا ہوں۔ مجھے تو اس کی حد سے اندھا نی چاہیے۔ میں اس کے اور قریب
جھکے جا رہا ہوں پر پیچیدگی وہ جہاں تک گئی ہے وہی کہے میں اس کی وجہ
ایک ناز کی اور روشنی معلوم ہو چکی ہے۔ ایک سادہ جوتہ روڑ کی سی ہو چکی
ہے۔ ”بچہ ماؤ کو راز“ میں نے اپنی آواز میں بتا دیا تو اسے ہنسنے لگا۔ ”وہ بھی جا رہی
ہے۔ ” بچہ گئی۔ ” مولوی صاحب اچھے تھے۔ میں نے تم ان کے سامنے پرودہ
کرتی رہنا اور مجھ سے کم ہی بولنا۔ اچھا تم سادہ باہر جا رہا اور اعلیٰ جان
کی تلاش میں ناکام ہو کر آئے ہیں کیا ہمیں جو مولوی صاحب سے زیادہ دیر
حضرت نہیں بول سکتے۔ اگر ضرورت نہیں تمہاری شکل نیچو کی تو وہ یقیناً
شک میں رہا ہوتا جس کے چاندی ہل جیاں سے بھی چلنا ہو گا۔“
”مگر کہاں؟“ وہ ہنس مٹتی سے بولی۔
”کیوں نہیں؟ میں نے تو قریب سے کہا۔“
”بابر میرا زیادہ گھونسا نہ چک نہیں ہے۔ وہ شک ہے۔ لیجئے بلی
”وہ میرے پیچھے چلے گئے۔ میں نے انھوں نے میرا پتہ چلایا تو مصیبت
آجائے گی۔ اگر میں مکان میں ملا اور تم کسی کام پر دنگ کے تو ہمارا
کیا ہو گا؟ سب یہی ختم ہو جائیں گے۔“
”جو بڑا فائدہ خدا کے آئندہ رکھو میں سمجھتا کہ تم نے گھر سے جاگ
کر کوئی جڑا کیا ہے۔ میں اپنے ان باب کو تو سے زیادہ جانتا ہوں۔“
”بابر مولوی صاحب سے سب کچھ بڑھو شاید وہ جاری ہو کر
”اور اگر وہ خود میرے آگے تو کیا ہو گا؟“
”کروا کے اس میں سوال کا جواب نہیں تھا۔ اُس وقت سے۔ اُس وقت سے

تھی بہت کم روشنی کا ایک لب کے میں ٹٹا رہا تھا اور دل کے تمام لب
 مجھے جوتے تھے اندر تیری جوتہ ہاں کی روشنی ہی کہ کچھ نکال کر تھی صحن
 میں کدو اس طرح چھٹی تھی جیسے اس کے گھر میں موت ہو کر ہوئی ہو تو بھی
 کوئی نہ کرے یا تھا میرے گھر میں بھی شاید اپنے بیٹے کی موت پر لیا ہوا
 عالم کو کاٹنا ہے موت تیری اور اس کی بھی نہیں تھی مولوی صاحب نے
 کئے کے بعد تار لگھ چلنے کے لیے اس طرح لکھا کہ آتے ہی خاموشی سے ریت گتے
 کرانے ان کا ستر تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا میرے لیے زمین پر
 چادر بچھا دی تھی اور سیکے کے لیے چکر پورے دے دیے تھے مولوی صاحب
 کو آج نہ تھیں اس کی تھی وہ مجھ سے کہتے تھے کہ مجھے اندر جانے کی کوئی
 دہی چاہیے شاید وہ دم و دل کے درمیان تھوڑے الٹا بہت چیت کی شکر گن
 لینا چاہتے تھے بڑے وقت میں آدھی مرتبہ کہ جسے کتاب نے آخرا دی
 رات کے وقت نہ تھیں ان پر قبضہ کر لیا مجھے اپنی رات کو کہاں سے جانگنے
 کی جہت میں تھی میں نے کوئی کدو کہہ دیا سے آواز دی۔ اس نے ایک ہی
 سرگوشی میں دروازہ کھول دیا۔ تھوڑے میں آ رہی ہے وہ میں نے چوڑی کی آواز
 میں کہا کہ اس نے میرا کتا ثابت میں جواب دیا۔ تم کم ضروریوں سے بچنے
 میں کیا یہاں سے جاتیں گے؟
 ”جی ہاں۔ آج اس نے کسے میں رکھی ہوئی اکوٹی چار پائی کی طرف
 اشارہ کیا۔ میں نے پچھنے سے پہلے ایک باہر دروازہ کھول کے دیکھ لیا،
 مولوی صاحب سے کہتے تھے۔
 جب میں نے بہت سے کڑی لگائی تو جانے کیوں میرے ہاتھ
 لافٹے گئے حلق خشک ہو گیا اور انھیں جلنے لگیں، سارے جسم میں سناٹا
 سی جوتے کی میرے لیے چار پائی تک جانا مشکل ہو گیا میں دیکھ گیا تو میں نے
 لگتی ہوئی آواز میں کہا کہ تم کیوں کڑی ہو؟
 وہ بھی کڑی آواز میری زبان پر نکلا گئی کہ میں نے کوئی بات ہی
 نہیں کہی تھی۔ میں نے سب سے مزہم وقت کی تلقین کرتے یا تھا خود میرے
 ہاتھ بادل میں پھل رہے تھے ہم کچھ یوں ہی ہم چپ چاپ بیٹھے رہے۔
 بڑی اذیت ناک خاموشی تھی میں اس کے جسم اور بالوں کی خوشبو صاف
 محسوس کر سکتا تھا۔ پہلو پر لئے وقت اس کے سر پر سے سرسرتے تو مجھے عجیب
 لگا کہ بار بار ”خود خود ہوئی“ میں نے انھیں بہت پریشان کیا۔
 ”تم دن میں بھی میری بار بار جگہ پر کبھی میرے میں نے بھڑائی ہوئی آواز
 میں کہا کہ تم بے ہوش نہیں۔ بالکل اس میں کہ تم انھیں دیکھ کر مجھے کیا ہو جاتا
 ہے تمھیں قریب میری کمرت رٹھ جاتی ہے۔ میں نے بے ترتیب
 لفظوں میں کہا کہ کوئی لفظ اور حرف تو کسی اور زبان میں محنت آتی تھی۔
 وہ مجھ سے کہتا کہ قریب آئی تھی میں سر جھٹکا کہ مجھے کیا کہنا اور
 کیا کہنا چاہیے؟ ہی تو بہت کہہ کر کے اور کرنے کو جانتا تھا غرض خدا کا
 وہ میرے بارے میں کیا سمجھتی تھی بہت چھڑا آدھی سمجھتی تھی کہ کبھی کی کہ

میں کا آدھی سونے کے کدو اور نہایت چھڑا لکھ کا اعتبار تھم جوتے کا ”موجوہ
 کدو“ میں نے اسے تان لیا۔
 ”میں نے وہ اس نے آہستہ سے کہا۔
 مجھے کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی اس چار پائی کا کوئی سہارا
 بھی نہیں تھا۔ میرے سر میں درد ہوا ہے۔ میں نے ہانپ لیا۔
 ”میں بادلوں“ وہ آہستہ سے بولی۔
 ”نہیں، میں کچھ ایسا خاص درد نہیں ہے۔ وہ بھی کبھی ہوئی کبھی
 ہوگی۔ میں تم آرام کرو۔ میں نے بھی ہوئی سرگوشی کی لیکن اس نے میرے
 سر پر ہاتھ کر دیے تھے میں ایک پناہ کا سا ہوا۔ اس کی ایسی لگتی تھی
 میں کھلم کھچے تھاتے میرے سر میں کثرت مورتوں لگا۔ مجھ وہ کثرت کثرت
 جسم پر چھا گیا جب اس کی انگلیاں میری پیشانی پر پڑیں تو دیکھتے ہی دیکھتے
 ”تمھیں بخار رہا ہے وہ میری گرم پیشانی چھوتے رہے بولی۔
 ”نہیں تو میں تو بالکل خشک ہوں۔
 ”مجھے سو رہا نہیں آتا، مجھے تو کوئی کام نہیں آتا۔
 ”تم تو بہت اچھا دبا رہی ہو، دو برس میں جھانگنے والی ہے۔
 آتی بہت میں وہ پہلی بار بالکل کھلائی تو تم بہت بھرت ہو رہے ہو۔
 کمرے میں مل کر تنگ آجاتے۔
 ”آہستہ مولوی صاحب جاگ جاتیں گے۔
 اس کے ہاتھ میری آنکھوں پر آگئے۔ اس کی انگلیاں میری پلکوں
 میں جوتیں تو میری آنکھیں کھلیاں گئیں۔ زندگی میں بہت سے لذت کھانے
 کھاتے تھے، انانات جیسے تھے آسمان میں کامیابی حاصل کی تھی مگر میں
 تھیں بہترین لباس پہنا تھا، باغوں کی سیر کی تھی، آنا کے ساتھ ایک بار شکار
 کا لطف بھی اٹھا تھا مگر جلدت کر کے اس میں بھی اس کی پائی بار۔
 انگشتان ہوا تھا، اس کی بے قرار انگلیاں میرے سر پر پیشانی اور آنکھوں پر
 قلم کر رہی تھیں اور میرے سینے میں جذبات کی فصل لہلاہ رہی۔ بس
 بس۔ میں نے بے لے کہا۔
 اس نے بس نہیں کیا۔ اس کے ٹانگ ہاتھ میرے بالوں کی گرد سے پلے
 بہتے ہوئے گئے۔ وہ تو ایک تھکا تھکا ذرا سی چوڑی اور گھم گھم کی میں
 جے تالی سے اس کے ہاتھ تھا ایسے اور انھیں گھسے دیکھا۔ میرے ماتھوں
 میں جیسے رشیم لگا ہوا تھا اس اعتبار سے تھا جیسا کہ میں خواب میں ہوا تھا۔
 وہ میری ذہنی گفتگو میری لڑائی، میرا اضطراب سمجھتی ہی نہ تھی کہ وہ ایک
 بات کہوں؟ میں نے تالی سے کہا۔ اس نے گونج کھلائی جیسے میں جو
 بات کہنے والا ہوں، وہ اس سے پہلے سے معلوم ہوئی۔ میں یہ کہا جاتا ہوں
 کہ تم... تم مجھے ہمیشہ یاد رکھو؟
 کہنا یہ تھا کہ مجھے مجھوں تو میں یاد آتی ہے میں نے یہ سوال کر کے برا
 کیا اس کی آنکھوں میں پھر آواز نہ گئی تھی شاید یہ بات مجھے نہیں کہی چاہیے

تھی، اس سے ایک موری معلوم ہوئی تھی، جنہیں سوتے تو چہرے نے لگیں؟
 اچھا تو چہرے میں باہر چلا جاتوں؟ اس نے جلدی جلدی آنسو پونچھے۔
 مولوی صاحب کے جاننے کے خیال سے میں نے ایک بار اسے
 سے جھانک کر دیکھ لیا اس کا ہوا۔ وہ اپنی پانی پر کسما ہے تھی
 نے کدو کو ہاتھ ملا کر لودھا کدو اٹھارے سے سے سر جاتے کی تاکید کر کے
 پچھے سے باہر نکل آیا یہ میں زمین پر بھی ہوئی چادر پر لیٹ گیا۔ عزیزم!
 میرے پیچھے رہا تو، نیچے کھلیں زحمت ہو رہی ہوگی؟
 ”آپ جگہ پر ہیں مولوی صاحب؟“ میں نے تعجب سے کہا۔
 ”نہیں، میں نے سڑا لیا ہے کہ یہ اندر چلا گیا تھا۔ وہ بھی جاگ ہی ہے۔“
 ”ہاں جی، ایسے عالم میں کہ نیند آتی ہے؟“ مولوی صاحب کا
 بیغور میرے رخ پر چہرے کی طرح لگا۔ انھوں نے ہماری باتیں تو میں
 سن سکیں؟ وہ ہم تو بہت آہستہ سے باتیں کر رہے تھے لیکن بے انھوں نے
 دروازے کی جھری سے جھانک کر سب کو دیکھ لیا ہو؟ وہ تو صرف برابر
 دبا رہی تھی مولوی صاحب ٹھنڈی سا سانس بھر رہے تھے میں نے ان
 اس کے بعد کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھی، رات کے آخری حصے میں بہت
 تمام میری آنکھیں بند ہوئیں۔
 صبح طبیعت کی خرابی کا اندازہ کر کے میں نے اپنی لیٹار ہا اور مولوی صاحب
 کو میں نے ایک غلط پتے پر لے جانا کہ وہ گھر تار سے میں مولوی صاحب
 جیسے ہی تار سے گئے میں نے سامان سمیٹ کے سوٹ کپڑوں میں بند کر دیا اور
 پاتھوں میں رکھ لیا۔ دفعتاً میں بھاگ کر گئی میں مولوی صاحب کی عدم
 موجودگی کی تصدیق کر کے میں نے ایک مختصر خط ان کے نام لکھا۔
 ”مہربان ہو، آپ کی محنت اور غایت کا شکریہ۔
 تم آپ کو کبھی فروش میں کر سکیں گے۔ یہاں رہ کر ہم
 خود پر ایک بوجھ محسوس کر رہے تھے۔ اس لیے ہم رہا ہے۔“
 یہ خط میں نے ان کے ٹیبل پر چھڑے ہائے کے کدو یا تیار کیا
 کچھ دیر میں بھی کرانے پر متفق آدھا میں نے محنت سے فیوٹی اور
 ایک توتہ پھر ہمارے کچھ کام کی کاؤٹ کے کپڑوں کی آگے اور گھیریں
 گیوں جوتے جو کسی نامعلوم بازار میں بائیکلے راستے میں ہر طرف سے
 نکلیں انھیں بھڑک کوئی خرید مولوی صاحب تھی۔ ایک بڑے پونڈ لڑکی اپنے
 جاتی کے ساتھ کڑی تھی کپڑے نالیوں میں رکھتے رہتے ہیں۔ اتنی
 نالیوں کی طرح کھینچے میں گیوں کا حال بچھا ہوا ہے جس میں انسان بچتے
 کھلتا ہے شرتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بڑی مشکل پر اس کے ہم ایک رکشا
 میں بیٹھ گئے۔ رکشا ایک نہایت سیاہ انڈیا شخص چلا رہا تھا جس کی
 پسلیاں ایک ایک کر کے جانتی تھیں میں نے اسے موٹا اسٹیشن کا پتہ دیا۔
 کدو مجھ سے گئی تھی، میں اس پر ہارے مدوٹن محسوس ہوا اور جی ہاں
 کدو کی طرح قریب مجھے لے کر اور کدو کی ساری عمر چلا ہے۔ میری نظریں

دائیں بائیں کی ہٹوں کے بورڈوں پر بھی ہوئی تھیں ایک بکری نظر
 آگئی تھی میں نے رکشا کو کہہ کر ہاتھ دیا۔ یہ کچھ معلوم تھا تو ان کی سیال
 زیادہ شور مچا رہی تھی تھا بکریاں کدو آدھوں میں لکھا ہوا تھا۔ رکشے
 والے کو پسے اور کہے میں نے فیوٹی کے میں بند کے اور دائیں ایک ایک کدو
 پیدا کر لیا۔ دروازے کی پر میرے ہاتھ سے ایک شخص نے سر میں کھینچ
 لیا کہ کدو چلیے خباب؟
 ”ہاں جی۔ میں نے بے نیازی سے کہا مگر...“
 ”مگر کیا صاحب؟ ایک نمبر بولنے فلفش کا انتظام، بھگن لیا،“
 صاحب نے کدو پر آپ آڑھ سے دیکھی۔ اس علاقے میں تو دور دور ایسا معلوم
 نہیں ہے۔“
 ”میں زیادہ نہیں سمجھتا یہی وہی دن۔“
 ”آپ ایک باہر کے تو دیکھیے جو آپ بار بار اصرار کرتے گئے۔ وہ
 آگے بڑھتے ہوئے بولا اور ایک زید ممبر کے کچھ ایک چھڑے سے کہے
 میں نے کیا میجر نے مجھے دلچسپی سے دیکھا اور جب اس کی نظر کمرے کے
 باہر کھڑی ہوئی کدو پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں ایک ٹپک پڑ جوتی۔ پھر
 اگر وہ فرار مجھے چالی نہ تے تیا تو اس میں سے آپس ہو جاتا۔ دوسری منزل
 کو نمبر ۱۲۔ اس نے لازم سے کہا اور مجھے بات کی کہیں دبا رہے تھے کہ
 نام اور پتہ لکھا دوں۔ ہاں۔ وہ مجھے دوبارہ مت پر کرتے ہوئے بولا۔ چندہ
 روپے پر میرے ہوں گے خباب؟
 یہ رقم بہت زیادہ تھی خصوصاً اس شخص کے لیے جس کا کل اثنا پانچ
 چھ سو روپے ہو چکے تھے نے بکری سے سنا اور وہیں آگئی۔ دوسری
 منزل پر میں جگہ جگہ دیا گیا تھا، وہ اتنا شائیں تھا مگر ہائے کے لیے کل
 کمرے برابر تھا میں تو سر چپانے کی جگہ چاہیے تھی میری زندگی کا پہلا
 موقع تھا کہ کسی سونے میں مقیم تھا کہ میں دو دیکھ کر جوتے اس کے
 درمیان ایک چھوٹی سی میز تھی، ایک طرف سٹکھا میز اور کرسی بھی
 رکھی ہوئی تھی میں اس جانب میں صاف ستھرا تھا جتنی دیکر کہ میں دھڑام سے
 بستر پر گر گیا۔ کرانے میرے سے نقاب ہٹا دی تھی چاندنی سے
 نکل آیا تھا کسی جگہ ہے؟ میں نے کسی قدر مطمئن ہو کر پوچھا۔
 ”خشبک ہے۔“ اس کے لیے سے ایسی سرخ شمع تھی۔
 ”تم تو بہت کم باہر کے ساتھ بہت سے ہٹوں میں ٹھہری ہوگی اچھے
 ہٹوں میں۔“
 ”ہاں، بندوستان آنے کے بعد کچھ کچھ گھڑے۔“
 ”میں نے نام پتہ لکھا کہ اس میں کچھ صرف میری آواز پڑواؤ
 کدو۔ میں میں نہایت ایک کدو کا یہ کہ میں نے نیچے آگیا۔ راستے میں
 میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے درجہ میں کیا انداز لگانا ہے؟ بنگلے کے
 میں جو کدو بیٹھے تھے وہ مجھے جتنی خاموش ہو گئے تھے مجھے یہ گمان ہوا کہ
 وہ میرے ہی ہائے میں لٹھک کر رہے تھے میجر نے ایک سڑوے سے سامنے

سائنس کی طرف دیکھا۔ دوسری فضا باغیچہ کے لئے لاس میں میلوں دور ہے
 رابین نہایت انا کا مذاق اڑا رہا ہے اور آواز دھونے کے لئے آہستہ آہستہ ہے
 تھوڑے دھڑ سے زیادہ دھڑ نہیں ہے گو کہ رابرٹ قریب میں تکیں نہیں
 دیکھ کر اسے قریب کی ایک گی کی لے آیا۔ وہ دبی میں نہیں مانتی
 میں، وہ مجھے سے قبیلے کے لوگ ہیں۔

[illegible]

میں نے اس کی ٹھوڑی اور پائنتائی اس نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے گردن جھکا لی تھی۔ گورو! میں نے کرب سے نہایت عداوت کے لیے اپنے آپ کو سنا کر سنا کر لپٹا لیا۔ وہ میرا وقت لینے لگا، اچھا! ان آماجگت کے۔

اس کے سامنے سے میں کہنے کے لیے اور کیا تھا۔ ان غفلت میں کوئی جان نہیں تھی۔ اس نے اپنا آواز دہرایا۔ میں نے اس کی اپنی روح جانی ہوئی عسکر کی جیسے کوئی میری دولت کہنے پر مجبور ہوئے۔ اُسے اٹھائے کھڑا کیا۔ اس کے سر پر چھپے چھپے پٹی ہوئی تھی۔ نیارنگی اور اٹھائے کھلی گئی تھیں۔ میں نے اسے ایسا دور دیا، ایسا اطمینان آیا کہ اس نے اسے یہاں تیار کئے۔ یہ نگاہیں گورو کو تو مجھے ہونے کا سہارا بنا گیا، جیسے کوئی بے دروغ تھا۔ وہ ایسا رشتی، آناؤں کی کشادہ پٹی کوئی دیا ہو گا۔

اسے بھاننا اور تسلیاں دینا بہاؤ دیتی تھیں۔ بسا شوق میں یہ وہ جس سترن کا سہارا لیے کھڑی تھی، اس کی گردن دیا ہی کہ وہ قریب سے سترن خود شک و شبہ تھا اور اس کی کٹی اس کے آنسوؤں سے ہی جاری تھی۔

مجھے اس وقت ایسا عرس پر ایسا میری تخلیق ہی کے لیے ہوئی ہے۔ وہ رو رہی ہے تو میں اور سناؤں وہ سنا رہی ہے تو میں سنا رہا ہوں وہ دکھ میں سے تو میں دکھ میں ہوں۔ وہ میں سے تو میں بھی میں ہوں اور کچھ بھی میں سے پھر جو وہ میرے سینے میں ملاتی تو مجھے یاد آیا کہ میں تو ہی کا آنکھار کر رہا تھا۔ میرا اپنے کھرے رشتہ تو ایک ہی چیز تھا مجھے تو یہاں سے ہٹ کر کہیں اور آنا تھا۔

کہے میں گراں غما ہو گیا۔ میں کچھ بڑی سی نہیں سا بہا ایک
دوسرے کو شناخت کرتے تھے کسی نے فرما دے پرستکاری بہا کہیں
دوبلہ لوٹ آتے لیکن اب ہمارے دلوں پر اس کی قدیم تصویر نہیں تھا کہیں
میں سے ہری پریشاکے روشنی کی ادراک کے کہ نہ پہچانے کے دروازے پر
پتلیاں برآمدت سے کہے ماضی کا حضور نے کون طلب نہیں کیا؟

”جوتہ دیتی میں پڑی۔ میں نے ہیرا کے کہا۔
 ”میں ہمیں موجود ہوں۔ گھنٹی بجادینے کا اور اہل کچہ شوق فرماتے
 ہیں آپ وہ اُن سے گردن کھاتے ہوئے کہا۔ ان دنوں میںاں بڑی دھک
 ڈک سے مگر ہم اپنے منزل ہاؤس کے لیے کچہ کچھ انتظام رستے ہیں۔ حکم
 ہو تو میں لوگوں سے انگریزی راج میں سب سے تیزی میں ہیں۔ میری سمجھ
 میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا بنا رہا ہے۔ یہ ایسا اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش
 کر رہا تھا کہ وہ کہنے لگا۔ دوسری پری بھی موجود ہو تو سرکار ہمارے کچھ اور
 جوتے۔“

”تم کم پری کی بات کر رہے ہو؟ میں نے تجھ سے پہلے
 اُس کے حیرے پر کبک باری ناگوار سی پیدائش کو پہچاننے کے
 بولنا۔ یہاں تو سب کے اُسے کبک تھے۔ آپ کے کان پر میں کیا کہتا ہوں؟
 ”اے۔“ میں نے سرسری انداز میں کہہ دیا مگر اندر حق مجھے اس
 کی فکر ستا رہی تھی۔

”اچھی پسند کرتا ہوں۔ ان سے چٹکی بھانپتے ہوئے کہا۔
 ہم دونوں نے ان کو کھانا میں لکھا ہاتھ میں لکھا کر دیا اور اس کو ہاتھ
 کی کوئی خاص چیز دے کر آئے۔ اس کے ہاتھ پر جمع کرنا دیا تھا اور اس کے
 میں بے حد چینی سے تیار ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد دوبارہ دستک ہوئی۔ میرے نے
 انہیں اس کی خدمت میں تیار رہ کر دینی کوئی چیز مجھے تھائی۔ ان کے ہاتھ میں
 بے حد چٹکی بھانپتے ہی اتنا ہی مناسب سے صرف میں رہنے۔ میں نے تیار
 میں ہاتھ ڈال کر دے کر لگا۔ چھوٹے پیچھے گا۔ اس کی کوئی جلدی ہے اور
 ہاتھ ایک بات سرکار ہاتھ لگا کر اس کی منزل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے
 کہا۔ حضور شوقین معلوم ہے۔ اپنی چٹکی بھانپتے کہ کچھ کو دیکھ کر
 ہوئے ہیں۔ ایک نظر دیکھ لے گا۔ تجھ کو اس کتاب سے آپ کوئی نواب دے
 ہیں۔ ہاتھ کو جرن سے وہ تیار ہوئے۔ اس کی نظر میں تھے۔
 آتے ہیں۔“

”تم کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو؟“ میں نے تسکین سے پوچھا۔
 ”واہ حضور! کیسی رہ گئی ہے وہی نایاب! نغمین! ارا عشرت بیگ اور
 نقی جان! وہ یاد تھے مجھے بولے نکلتے تھے خود بہت نالاں ہیں۔
 یہاں اہل دل کی تلاش میں آئے تھیں مگر یہاں کہاں وہ لوگ۔“

باتیں کچھ میری سمجھ میں آنے لگیں۔ میں نے اپنے پیلو میں رکھی ہوئی چیز کے رت کھانے شروع کیے۔ جیسا کہ مجھے شبہ ہوا تھا، وہ شراب کی بوتل تھی، اسلحہ ہمسایہ محمد شہدین آتی میں نے زندگی میں پہلی

دفعہ شراب کی بوتل بھجی تھی۔ میں نے اسے میرے سر پر ڈالنے کا ارادہ کیا مگر میرے حیرت زدہ ہاتھ کچھ نہیں کر سکے۔ چند لمحوں تک میں مکملی باندھے ہوئے دیکھتا ہوں پھر کسی سچ کے میں نے دوبارہ کاغذ میں لپیٹ دیا۔ تمنا نام چاہیں نہ مضبوط لپیٹ میں لپیٹا۔

”ہام کیا خباب! سب اکں میاں نکلتے ہیں کیسے حیرانپ کو پسند آئی؟ اس نے آنکھ مار کے پوچھا۔

”ہاں۔ میں نے مذہب سے جواب دیا۔ اگن میاں اب ہم آرام
کرنے کا تہیہ ہیں۔ یہیں کھانا بھجوا دیجیے؟“

ظاہر ہے ایک دھڑکنے بعد وہ تنہی سے بولا۔
"نہیں ابھی۔ میں نے ناراضی سے کہا۔"

”میں بھی مرضی جناب کی کہ اس سے مراد ہے کہ میں نے جھوٹ
دروازہ بند کر دیا میرے ساتھ میں شراب کی بوتل بھی ہے جو مل سزا میں
اور لوگوں کا سہل تھا۔ وہ ذیل کر کے متعلق بھی تھا جو ساتھ کمال
میں میں یوں پڑھی تھیں اور میں نے ان کا جواب سب کچھ سنا ہے۔ میں
نے ان کا جواب دیا کہ میں نے ان کی سزا میں ہی دیکھی کہ وہ خطا میری
تھو کر میں کو میری معصوم لڑکی کو اسے گندے سے ملنے سے بچا تھا۔

میں نے کوئلے میں غائب ہو کر کھڑے رہے۔ وہاں انہوں نے کہا کیا میں نے
سب بچ گئے ہیں۔ اگر اس وقت ہر ایک کی جنت میں بلقا تھی، درحقیقی روشنی کے لیے ہر ایک
اپنے اپنے سب سے بڑے پریش گئے۔ رائے بے باور گزرتی رہی۔ ہمدردوں کے
سوال ایک ہی تھے۔ اور جواب کا کاش میں ان کے جواب معلوم ہوئے۔
اور میں رات کے وقت میں نے دیکھا کہ کوئلے پر بیٹھ کر بھیجی ہوئی ایک باب
ملنے کی جتنی بھر پر سبحان طاری ہو گیا۔ میں نے اس کا کمال پرچھا تو مزید
دھانے کا شکوکہ کرنے لگی۔ میں نے دوسرا دھڑ کے اوقات سنا کہ اُسے
بولنے کی کوشش کی اُسے سننا پایا۔ بچوں نے اُسے بیٹھ کر بچ کے
اُس کا سر اپنی جھانپی کر لیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اُسے
سکون آیا۔ میں نے اپنی نشست میں بدلی تاکہ وہ لے آرام نہ کرے۔
میں اسی طرح ایک کڑھ سے شہر آیا۔ آخر اسے زندہ لائی۔

میں نے جوتے پہن لیے اور کھڑکی پر بیٹھ کر سو گیا۔



دو دن میں دنیا بھر کی اپنے حقوقات اور زمانے کی نیرنگی کا اندازہ مہیا کھینے کی کوششوں میں ناکام ثابت ہوئے اور ان کی کئی باتوں کی تصدیق نہ ہو سکی۔

نیلی اور محنت سے رہنے کے لیے کوئی بگڑی نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ
کا بُرغ اترا دوں اس طرح لوگوں کا جت سے خوش ہو جائے گا مگر اس کے
دشمن میں بھی موجو تھے اور سلسل اس کا تاقیہ کر رہے تھے۔ آدمی کو
کھینچنا ہی نہیں تھی اس کا ارادہ ساقی کا پانہ ہے میں نے حال ہی میں
دوسرا ایک مقرر دیکھا تھا کہ انسان ان آدمیوں کے لیے لیکن جھڑکنو
پابانہ ہے اس وقت میں بھی نہیں آیا تھا کہ دوسرا مطلب کیا ہے،
حالانکہ مطلب کیا میں بھی انہی واضح حقائق کا تعلق تھے میں پھر بھی ایک بڑی
نظر لیا کہتے ہیں کہ ایک نئے میں آدمی چھت کے بغیر رہتا تھا مگر اب
چھت کے بغیر اس کا گرا نہیں پوتا۔ یہاں پر غرض کہ ایک چھت کی بدولت
ہوتی ہے چنانچہ مجھے آدمی دوسرے بڑی میں جانے کے واسطے راستہ نظر
میل گیا۔ یہ بڑی بڑی آدمیوں سے خاصا مختلف تھا۔ ہم نے کمرے میں مل گئے
خود کو بند کیا کہ کچھ نہیں آتا تھا کہ اب کیا کریں؟ میں اس کا کمال میں
نکلا جاتا تھا مگر کوڑا بڑی میں تھا پھر دیکھ کر کیسے واسطہ تھا۔ پیسے
جیب سے نکالے تھے میں نے سوچا اچھی کام کا کوئی بندوبست
ذرا آفر سے پیسے جو ہوائی میں پڑے بڑی میں تھے کسی کے پاس سے لے لی
بات کہتے تھے غوث آتا تھا اور کسی سے کچھ کہے بغیر باہر ہی نہیں جاتا تھا
کس سے بات کریں؟ ہر شخص پر اس طرح لگا ہے۔ اس بڑی میں بھی آدمی
ہوا۔ لوگوں نے بُرغ پر پڑ کر لو کہ کچھ کس شاعر سے کیے آفر سے کسے شاعر
کے وقت میں اس کے ساتھ یہ عیسوں سے آفر سے لیا تھا۔ ایک آدمی تیری
آفر سے لیا کہ کس شاعر پر گڑھی اور اعلیٰ ہوتی جو جا کر
ان آفر سے میں اس کا نقاب آٹھ گیا۔ بڑی میں بڑی اور دوسرے لوگوں
نے اس کا چہرہ دیکھا، وہ چہرہ جو میں نے پہلے سے دیکھا تھا۔ کس
گھنٹے میں چرت آگئی تھی۔ ہمارے اس کے گرد آدمی ہائی میں چرتی۔ وہ آفر
معذرت کرنے لگا کہ اس سے چوک ہوگی۔ ایک دوسرا آدمی غرض میں ہمارے
بھردی میں سے بڑا بھلا نہیں لگتا۔ میں ان پریشان تھا کہ اس کا کمال
بچوں سے کس کے پیٹ میں یا قماروں سے کسی کی بھین نکال لوں
مگر بڑھ جانے کا خطہ تھا مگر کوئی غرض میں بڑا شت کا ثبوت وہ
وہ کوئی ہوتی فراخ آگئی اور میرے ساتھ چلنے لگی سب نے دیکھ لیا تھا
میرے ساتھ ایک چھتی آدمی ہے جس کی بار بار تیرہ سال سے نادرہ
میں سے بڑھ رہی ہے اس کے شباب کے آثار گرا رہے تھے اس نے
کی ابتلا ہی سے تنہا کا اندازہ کیا با س کا قمار اور اعلیٰ ہوتی ہی ہے
میں اسے دوبارہ کر کے میں نے ایک وہ عیبہ کہ بھتی مری کا پاجامہ
مجھے تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ ان کا گھنا دکھاؤ وہ شاعر نے لکھا
کی چوتھ کی شہرہ میں ہوتی تھی۔ غرض مجھے بقیہ میں آتا تھا میں
اسے ساتھ وہ بیچ دینا کہ وہ کوئی دیکھ لیا اس میں سے وہ دل غلے
سے کہتی ہوتی داپ آگئی کہ مہمل چرت ہے۔ میں اس کی پٹیلیاں پانے
لگاؤ۔ مجھے سگہ وار اس خطے کے لیے اہم کرنے لگی۔

گلوب کہاں تھا؟ گھرا پنا تو ہیں مرد کی ٹھوکر کا کھانے کی
 کی ضرورت تھی؟ یہی میں نے سمجھا ہی رہا تھا کہ ایک ایک کی آواز آتی۔
 میں نے کراہ کر چادریں ڈال کے دروازہ کھول کے دیکھا وہ ادھر غصے سے
 سامنے کھڑا تھا جو میں کچھ دیر پہلے میں چھوڑ چلا تھا اور جس نے ہم سے
 برسی ہمدردی نہ کی تھی مجھے کچھ کہتے ہیں؟ میں نے اس کے نفاس سے
 کہا۔ کیسے اندر ضرورت تو ہے؟
 میں نے اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور اب یہی ہیں کہ
 مہولی چٹ آتی ہے۔ خیال تھا کہ وہ جلد ہی رخصت ہو جائے گا مگر وہ تو
 ہی پرانے قصے کی قنارت کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ میرے سائل کا قیام
 مستقل کسی ہوٹل میں ہے اور اس کا مقصد ہے میرا چڑھنے سے اور چڑھی
 کے بارے میں حقیقت جاننے کی ہے۔ میں نے اس کی بات کو گھسے پھسے لگ گئے
 جیسے ہیں۔ آپ سے مل کے ہمارے گھر پر خوش ہوں گے۔ آپ نے اپنا تعلق
 نہیں کیا یا پھر مجھے فائز بخش دیکھ کر دلا۔
 فائز سے ملنے میں کیا کیا غلط کیا تھا کہ وہ میرے یہ وعدے پھر
 نہیں ملا کر کوئی ضرورت اس کے کہ میں آؤں گا۔ میں اب تو مل ہی نہیں
 والے کسی شخص سے ملنے کا خیال میں تھا مگر کرم کی بات کو نہ دیکھتا تھا۔
 میں غصے سے اندر نہیں گیا، اور اس نے ہی پاس سے کہہ دیا کہ کچھ دیر بعد
 خود آؤں گا۔ شغل ضرورت سے وہ رکھ رکھاؤ کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ میں
 فیصلہ کرنا کہ جاؤں یا نہ جاؤں وہ اس نے کہہ کر دیکھا تھا لیکن کو کر کو
 ساتھ سے جانا مناسب نہیں تھا۔ پھر کو کر کے مل آگیا۔ میں جلد ہی
 واپس آجاتا تھا۔ اگر میں نہ گیا تو وہ پھر آجائے گا لیکن میں نے کوئی ہمدرد
 آدمی ہوتا تھا۔ ہمارے صبر میں جھڑپوں کے سبب میں جاتے ہیں۔ میں نے کو کر سے
 دیکھا کہ وہ بھی شغل میں ہی پڑ گیا۔ کو کر نے کہا وہ اندر سے جتنی بند کر لے
 گی۔ وہ اس نے پرتال لگا دیا جاتے گا جب تک اسے یہ یقین نہیں ہو جائے
 گا کہ میں لوٹا ہوں، وہ دروازہ نہیں کھولے گی۔ چنانچہ کو کر نے بعد میں جتنی
 منزل کے کو کر کو ۳۳ کے دروازے پر کھڑا تھا کہ کو کر کے مل تنہا تھا۔
 اس نے پھر کو کر کو استعفیا کیا۔ مجھے گھسے گھسے لگا یا اور اچھڑا کر
 دلچپ باتیں کرتا اور میرے پاس سے پوچھتا رہا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں
 آسمان سے اپنی بہن کو ساتھ سے نکالنے کے لیے ہیں آ جاؤں اور
 اپنے بڑے بھائی کی تلاش میں ہوں۔ وہ ہم سے ناراض ہوئے کھٹکتے آگیا۔
 وہی ہمارا سر پرست تھا۔
 "اب یہی ہو کر نہیں لاتے؟ وہ نہ لایا کرتے لگا۔
 "پھر کہا کرتے ہیں؟ آپ کے گھر والے کہاں ہیں؟
 "پہنچا ہوا برابر کے کمرے کی گئی ہوئی ہیں۔ پھر یہی میں آپ کو
 "ان سے ملتا ہوں؟
 "چل لوں گا۔ میں نے کہا انھیں کہیں نہ زحمت دیتے ہیں۔ لیکن وہ
 دانا، باہر چلا گیا اور میں چار منٹ بعد ایک اوسط قدر کی ضرورت کے

ساتھ اندر داخل ہوا میں نے اٹھ کر اسے ادب کیا۔ عورت نے اشتیاق
 سے مجھے دیکھا۔ پھر پیار بھرے لہجے میں اس نے میرے ادب کا جواب دیا۔
 "جیسے رہے اس نے غصے سے کہا۔
 اس کا رنگ گرا تھا اور جانی زوال پراگتی تھی نگاہ بھی اس کے
 نقش و نگار میں جا بڑتی تھی اس کے ہلکے آپ رکھتا تھا۔ اس کی
 آنکھوں میں کامل گھاسا تھا۔ اس کا بات کرنے کا انداز بڑا دل میں اور
 شاعرانہ تھا۔ وہ اپنے جیسے سے زیادہ خوش خلق ثابت ہوئی۔ اس نے مجھے اپنی
 ڈبیا سے گری نکال کے کھلائی۔ وہاں انداز سے مسکراتی تھی۔
 "کرم کے شہر سے تھے؟ ہم میں سے جیسے ہوئے وہ شفقت سے ملی۔
 "اسے تمہاری بہن کہاں ہے؟ کرم اس کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ میں نے
 اس کے ساتھ ذمہ کی مندرستی اور وہ دھماکا لگی ملاقات میں اسے
 ضرور ساتھ لے آؤں گا۔ وہ میرے بھائی کے پاس سے پوچھنے کی کوشش سے
 کہاں کہاں تلاش کیا وہ آخر میں ناراض ہو گیا وہ میں اسلئے توڑنا
 رہا اس لیے اپنے ہاتھ سے مجھے چائے بنا کر پلائی۔ وہ آہ غمت سے پیش آئی
 کہ کب تک مجھ سے کوئی عورت اس طرح میں نہیں آتی تھی۔
 انھوں نے شکل سے مجھے اجازت دی۔ کو کر اچھے و سلاطین میری یاد
 رکھنے کے دروازہ کھول دیا۔ میں نے اسے ساری باتیں بتا دیں۔ پھر رات کا کھانا
 کے ہم اپنے بستر میں پڑ کر سوئے کہ کو کر کی ٹانگ میں روبرو تھا۔ یہ بات
 مجھے پریشان نہ کرنے کے لیے چھپا رہی تھی۔ میں اس کے ہلکے پتھر گیا
 کیونکہ اسے سنانے کی ترکیب میں معلوم ہوئی تھی۔
 تب ہی کو کر نے مجھے بتایا کہ میں اس کی بات کو کرم اپنی جی سی ساتھ
 آگیا۔ کو کر کوئی صورت میں تھی۔ میں نے اسے اندر لایا۔ پچھلے اندر اسے
 ہی کو کر کی تلاش سے ہیں۔ چودہ دو دن رشتے داروں کی طرح مل گئیں۔
 کو کر کے بعد میں ایک ایک میں اس کی باتوں کی عورت سے اسے کچھ دلچسپ بات
 تو کرنی ہی تھی۔ لگاس نے بہت بات کی تاہم اس کا جو معانہ معانی کرتا
 تھا اس کا لائق اچھے کے ملاقات سے نہیں ہے۔ اچھڑا کر کچھ مجھ سے گفتا
 باتیں کرتا رہا۔ وہ دو دن میں دیکھ کے ادب سے مل کے بہت خوش ہوتے
 تھے۔ انھوں نے ہماری دوسری عورت کی۔ دوسرا کھانا ہوا پھر رات کا
 بھی ہوا لیکن میں نے ہم سے اس قدر قریب ہوئے کہ وہاں سے دیر میں کو کر
 عید ہی میں رہا۔ میں کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ یہ لوگ بہت جتنے ثابت ہو
 رہے تھے غرض تھے، زیادہ کہتے تھے تھے جو کہ میں نے کہا، انھوں نے
 کسی چوڑی کے پٹیر سے لڑکھن کر لیا تھا۔ اس کے وجود میں اس سے
 تعلقات جڑنے میں تھا تاہم وہ خود اس کے درگاہ کے بڑے کہتے ہیں۔
 آدمی شرمندہ ہو جاتا ہے اور پھر ایسا آدمی جو بہت اور مہربان کی ایک
 نظر کے لیے ترس سا ہو۔ کل رات کو کر کو دوسری عورت میں زخم مر جائیں
 تمام تو کھوں سے نجات مل جائے گی۔ میں نے اسے جواب دیا تھا کہ ابھی
 بہت اور پیسہ باقی ہیں اور پھر قریبی جیب میں موجود ہے جب پیسے

ختم ہو جائیں گے اور حوصلہ جواب دے جائے گا تو اس کی باتوں سے پناہ لاس
 تمام کریں گے۔ آج رات فراموش بدلی ہوئی تھی۔ سارا دن میں نے کرم کی
 اور اس کی بیٹی کی دل میں باتوں کے ساتھ میں گزرا تھا۔ پھر پناہ لاس
 اتنی پسند آتی تھی کہ وہ اسے اپنے پاس ہی بٹھا کر کئی قصے انھوں نے
 ایک بار کو کر کو ان میں کھلا دیا۔ اس کے تارک منوں پرانی رچی
 کر میں دیکھتا رہا۔ اس میں کرم کی اس کی عمر کی دامنوں سے ہی
 جھلکتے لگتا تھا، جیسے اس نے جو تھوڑی پر مندی لگائی ہو۔
 دوسرے دن کرم کی بیٹی نے میں کو کرم کی کمر و کو کر یا میری
 چلیں چل یا کرم دیکھیں پھر اور ان کے جیسے کرم کی دل کوئی پراگتی نہیں
 تھا۔ وہ زندگی کی زندگی کی طرح گزرتے تھے خوب جھٹکتے تھے، خوب
 کھاتے تھے خوب تفریحیں کرتے تھے جب سے جی وئی سے آتی تھیں،
 وہ کبھی نہیں جیتی کرم کے تو کھٹکتے کی اس سیر کرتی تھے کہ میں خوب میں بھی
 تصور میں کرم کی تھی۔
 میں اس کے سامنے بس ہو جاتا تھا۔ وہ اتنے چار و کھڑ اور شفقت
 سے بات کرتے تھے کہ انھار کرنے کے لیے بہت سنگ دل اور غیر متذبذب
 ہونا ضروری تھا۔ دوسرے دن میں وہ ہی کھڑ کھاتے تھے انھوں نے
 مجھے اپنی جیب سے نکلی کا گراہی ہوا ادائیں کرنے کا یہی گراہی کسی
 پیسے سے کوئی قصہ کھائے سے سات کے ساتھ میری میں مل جاتا تھا۔
 مجھے ان کی یہ فریفت زیادہ پسند نہیں آئی۔ میں کو کر کو کسی اور سے ناؤ
 قریب نہیں جیتتا تھا۔ اس رات کھانے کے بعد بھی کو کر کا ہلکا سا ہاتھ
 کی کچرک تھی میں اس کے منہ سے بہت کھٹکتی کی دیکھتی کرم میں میرے پاس
 کا سر ہاتھ تھا، اس نے جی کی بڑبڑ تائی۔ مجھے نہ لگایا۔ میں نے دعوت
 اٹھا کر دیا کہ میں سمجھتا ہوں جیسے جی سے کو کر بہت کھٹکتا میرے در کو کر
 کے شہید انکار کے وجود انھوں نے میں اٹھا ہی لیا۔ وہی ہوا جو پچھلے
 تھیں کچھ پر لہجہ کھٹکتا ہوا اس سے کھٹکتے پکڑے تھے۔ میری طبیعت
 کھٹکتی تھی کو کر کے ساتھ نہ تھی کو کر میں کھٹکتی کی حالتوں
 اور تفریح کا ہوں کہ میرے میں مسلسل کچھ نہ بتا رہا تھا۔ اتفاق سے
 گیت ہی پر ان کو کر کے ایک شام جو شہر سے ملاقات ہوئی عورت
 مرتے اور شہر سے تھی مر کا چہرہ وہ دشت تھا۔ اس کے سر کے بال
 اڑے ہوئے تھے اس کے ساتھ میں ایک کراہی ہوا چڑھا تھا۔ پہلی پہلی نظر
 میں وہ شخص مجھے بے حد برا۔ جی نے بڑھ کے اس سے ملاقات کر لیا۔
 عورت نے نقاب اٹھایا۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ لگ چکی ہوگی۔
 وہ عمر کی بوڑھی تھی۔ اس کی ٹانگ میں تھکتی تھی اور لہجہ پر ایک
 ایسی سکھات تھی جسے کو کر بھی نام نہاد دیکھا سکتا ہے۔ اس نے کو کر میں
 خاص طور پر دل سپردی اور دوسرے پاؤں تک اس کا ہاتھ نہ دیتی رہی۔
 "ماشا اللہ میرے بڑے بھائی کا اس کے منہ سے نکلا۔
 جھلنے نہ لگا رہی سے نہ بتایا۔ جی کی نظر میں لگا رہا ہے

جی بتایا ہے۔
 "مٹھائی کے کپڑے پھینک دیں لی ایک سے کچھ نقد لگایا، مجھے حیرت
 ہوئی کہ کھانا کوئی عورت جس کی طرح نقد لگاتی ہے؟
 "مٹھائی کھائی جی جی جی نے اسے مخصوص انداز میں کہا۔
 "پھر کب آزاد ہے؟ جی جی نے اسے کھیل گاتے سے پوچھا۔
 "جلد ہی جی جی نے خوشی سے کہا۔
 اسی آٹھ ماہ کرم کی کا با با کو کر کے ایک طرف لے گیا۔ یہ وہ
 زور زور سے یہ باتیں کرتے ہوئے اس نے کھٹکتی کھٹکتی میں گئے تھے
 ایسا محسوس ہوا جیسے کرم کی نے مجھے سنانے کے لیے اپنی آواز بلند کی ہو۔
 وہ سب اس کی تک نظر تھا انداز کر کے تھے اور کرم کی کی طرف دیکھ رہے تھے
 جی جی نے اس چوڑی میں کو کر کے شانوں پر بے تکلفی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔
 خرم کی کو کر کی نظر نہ تھی۔ جی جی کی ایک کمر کا کھانا تھا کہ یہاں سے
 جیتی تیری سے جاگ سکتا ہوں، کھانا کھانا سنا لینے کے لیے یہ پیسے ہی
 کہ تیار تھا۔ ان لوگوں کی بات میں کرم کا دور یہ کچھ کہ کھانا کھانے
 لگا دشت چہرے سے لاس روک لے آیا تھا اور ان سب کے قدم ہوا
 میں کھانے کے لیے کچھ تھے میں اپنے لڑکے کو کھانا میں پناہ لاس۔
 مجھے کو کر کے پاس جھٹکے کا موقع بھی نہیں ملا وہ ان دونوں عورتوں کے درمیان
 بیٹھی ہوئی تھی کچھ شرم سے کچھ جی جی، ان دونوں کو تو پھر اس کی بات تھکتے
 گونجنے لگے میرا دل بھان سینا کی طرف تھا تھا۔ میں ان دونوں کی سرگوشیاں
 سن جاتا تھا وہ دونوں مردوں کی بات کر رہے تھے۔
 جیسے جیسے میں نے وہ وقت گزارا۔ رات کو کر کے کچھ بچہ کو کر
 میں کرم کی کے جانے کو کر کے بدل میں پلٹے لگا چلتے وقت کی آواز
 کا شور و غل میں گونجنے لگے تو انھوں نے جی سے کہا۔ ہماری طرف سے بات کی
 سمجھ اور ان کا کھانا کھانا تیار کرنے میں دیر لگے گی۔ اس صبح میں کچھ بھی
 ہو سکتا ہے۔
 "اب تک یہی ہوا ہے۔ جی جی نے بی بی سے کہا ہاں میرا سرچ لو،
 تمہاری جی جی انھوں نے میری طرف دیکھ کے کہا میری زمین سے کچھ فصل
 کہیں نہیں ہوئی اور اس بار تو۔۔۔
 "تھیک ہے تم سوچ کے جواب دے لیکن جب تک ہم جواب نہ دے
 دیں تم کسی اور سے بات نہیں کر سکتے۔
 "میں تھا رہا تھا کہ کو کر کی ادب سے مل رہے تھے تھا جواب دیا ہوگا۔
 یہ کہہ کر جی جی کے ہاتھ میں وہ دونوں دوسری سمت چلے گئے۔ میرے میں
 آگ لگی ہوئی تھی جی جی میری خاموشی محسوس کر کے کہتے تھیں۔ دل میں
 کے اس ہمارے بڑی زمین چڑی ہوئی ہے کو کر کی کی دیکھ بھال کرنے
 والا نہیں ہے کہ کو کر میں چلا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہر سال سرور کا پڑتا ہے۔
 میں نے کو کر جواب دیا۔ جی جی تمام راستے ٹھوکر لگائی ہیں کر کی جی۔
 انھوں نے اصل لگا کر آہ رات کو کر ان کے پاس سے کو کر کے کو کر کے
 منہ کے میری شکل آساں کر دی رخصت ہوئے وقت انھوں نے کو کر کی

پیشانی کا برس لیا اور ہاتھ لیں کہو بند کر کے میں نے کورائی طرف دیکھا۔
 اُس کے چہرے پر بھی اضطراب چھایا ہوا تھا۔ ہم نے جلدی تمام اُٹھائے
 سرسبز میں ڈال لیے اب یہاں ایک لڑکے کی شکل ہو چکا تھا۔ اُن کا
 میں نے ایک گھٹنا ڈرا دیا۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میں نے دوڑنے سے
 جھانک کر دیکھا، پہل پر ڈیڑھ رات کی سی تھی جیسے ہی مردوں کو مل کے
 نکلے میرے نے تہی حیرت سے دیکھا میں نے اُس کے ساتھ پانچ کا لڑک
 رکھ کے اس کا جسٹس ڈھونڈ کر دیا وہ سوٹ میں تھا کہ کچھ فخر میں کیا۔
 دو روز کا بانی لڑایا اُس کے تہی تہی سے نیچے آ کر نیچے سران کی حیرت
 بھی میں نے پانچ روپے اور اس کے نوکر دی۔ نیکی ملنے میں روٹی تو کم میل
 چل پڑے رات کے وقت ایک بزرگ شخص عورت کے ساتھ سوٹ
 کپس ہاتھ میں لے کے چلنے کی دشواری کا اُٹھا فغانہ غرض قسمی سے
 کچھ ہی دور ایک گیس لکٹی رات کر کے لالچ میں وہ آدہ ہو گیا جائز
 جب سے نکال کے میں نے ہاتھ میں رکھ لیا تھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد
 نیکی ڈرا پور سے پہاڑ کے کھار ہا تھا۔ اب کیا رہا ہے۔ میں نے نیچے
 کے شیشے سے دیکھا ہم سے کچھ فاصلے پر تیز روشنیاں تھیں جہاں جہاں
 کا لڑی مڑی تھی وہ روشنیاں میں ہوائی تھیں نیکی ڈرا پور کی جب میں
 کچھ روپے ٹھوس کے میں نے خوشامد کی کہ وہ گاڑی تیز چلا کر نیکی ڈرا پور
 قطعی شیشے کی طرف تھیں گاڑی کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی وہ ملاوٹ
 اُٹھا تھا جہاں مجھے اتنا تھا۔ جیسے گاڑی ایک موڑ پر ٹھہروں سے
 اوچھل ہو گئی۔ میں کو روکنے کے تیزی سے اتلا جب سے اُسے نکال کے
 گئے بغیر ڈرا پور کو دھتے ہوئے کہا کہ گاڑی اُسے بڑھلے۔ نیکی ڈرا پور
 نے ایک نظر مردوں کو دیکھا پھر اُس نے کڑی قہقہہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔
 ہم کی تائید کے لیے ایک چوٹی کی گلی میں ایک گئے اور انھیں سے میں چپ
 کر چھپ کر بیٹھ گئے۔ میں نے پانچ روپے اور اس کے ساتھ دو روپے کا نوٹ
 بعد ہائے جیسے ہی گاڑی کی روشنیوں میں ٹھہر کر نظر میں آئی گاڑی زن سے
 گزری ہم جسٹس ٹنگ میں آئے اور اُسے بڑھ گئے۔
 دس سے کارواڑہ تھا۔ جیسے نے زور زور سے ہانک مٹیا اور
 آواز میں لگائیں۔ ایک بڑھے شخص نے کہا تھے جسے اندر سے پوچھا تو کون چٹ
 ملنے نے لہذا دوسرے کہا زبانی! مولوی عمر شفیق کا بھانجا ہوں۔
 دروازہ کھولے۔
 بڑھے نے کوئی کھول کے ہمارے چہروں پر پانچ کی روشنی ڈالی
 اور اندر لے کی ہدایت کی مولوی صاحب نے ایک ہی دستک
 پر دروازہ کھول دیا اور اہل مکہ کے حیرت زدہ رہ گئے۔ آواز اندازاً جابو اُٹھ
 نے سکون سے کہا۔
 ہم دونوں کو کھانچے ہوئے اندر اُٹھ گئے۔ کہاں ہے؟ انھوں
 نے چاہا یہی پوچھتے ہوئے کہا۔ اُن کے گھڑے میں بیٹھ رہا تھا کی چوٹی ہو گئی۔
 ہمیں صاف کر دیکھے مولوی صاحب! خدا کے لیے میں صاف صاف
 دیکھے ہم نے آپ کو ناراض کیا لیکن ہم نے بہت سے محنت اُٹھائے تھے اُن

کے خوف سے ہم چلے گئے تھے آپ کے سوا اس شہر میں کوئی آدمی نظر
 نہیں آیا اس لیے ہم آپ کے پاس آ گئے ہیں۔ اب آپ جو بھی چاہے سن سناؤ۔
 ہمیں صاف کر دیکھے اب ہم یہاں سے نہیں جاتے گئے۔ آپ میں اپنا نام
 میں نے لیجے آپ ہیں اپنا غلام لیجے لیجے ہم آپ کی خدمت کریں گے ہمیں
 اپنے ساتھ مردار لائے تھے جسے ہم کھاتے ہیں کہ آپ کو کھانے میں پہنچائیں گے۔
 "سوکن اعلیٰ ان۔" انھوں نے معلوم ہوئے ہوئے سوز مولوی صاحب نے
 ہاتھ اٹھا کر میری تیز زبان کا قابو میں کیا۔
 "گورادہ مولوی صاحب سے بڑھت کر وہ نقاب اٹھا دو۔ گورادہ
 نے نقاب اٹھا دی اور مجھے بتائے کہ اُس سے صاف لگنے لگی۔
 "اُسے اتنی چوٹی ہو چکی ہے کہ مولوی صاحب پر حیرت طاری ہوئی وہ کر کر
 تعجب سے دیکھنے لگے۔
 "اب میری کھینچ میں آپ سے بالکل جھوٹ میں بولوں گا کیا نظر
 جھوٹ میں کہوں گا اس کے بعد آپ جو چاہیں فیصلہ کر لیں کیا میں دھتکے
 سے کے گھر سے نکال دیکھتا ہوں یا اگر گھر میں بیٹھوں تو میں نے جانی لیجے
 کہا یہ لڑکی جسے آپ دیکھتے ہیں یہ ایک عیسائی لڑکی ہے۔ اس کا نام کرنا
 میں نے شروع سے خوشک تمام زور دیا تھا۔ میں نے اُن
 کا دھڑلہ درجہ ہر گز نہیں کیا جو ہمارے گھر میں کھتے تھے۔ یہی
 میں بتایا کہ وہ بہت سے قبیلے جاگتے ہیں جو ہمارے میں نے زبانی ترمیم
 مناسب بھی اور کہا کہ گورادہ ایک عیسائی لڑکی ہے تاہم اس کی کم عمری کے
 باوجود اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس کا اتنا ہیق اُن کی کہ آپ کی موت
 کے بعد اس کی سرپرستی کرتا تھا۔ وہ اس کے ہندوستان چلا آیا۔
 نئے ہمارے اُن دونوں کے بچے آئی گئے تھے۔ اُن۔ دیر میں نے دیکھا
 میں اُن میں کوئی لڑیا اور کرنا چاہتا تھا کہ گھر لگائی۔
 مولوی صاحب نے ایک ایک بات کو توجہ سے سنتی تھیں یہاں تے
 ہوتے تو کسی نے میں دیکھا ہمیری مراد اُن لوگوں سے ہے جو تمہارا نقاب
 کر رہے تھے۔
 "نیل۔" میں نے جواب دیا پھر دس کے دوسرے ایک بیٹے کا واقعہ
 تفصیل سے میں سنایا۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہیں چلے
 اپنے شہر لے چلیے۔ وہاں پوچھ کر دیکھیں گے۔ میں اُن کام و لگن کا آپ پر
 بوجھ کر کوئی نوں گا کہ کر کے لیے میں سب کچھ کر دوں گا کہ ان کو باوجہ
 ڈھونڈنا کہ مجھ میں ہونے کے لیے بیٹھ جائیے۔
 مولوی صاحب چپ چل کر ایک خاموشی سے اُن کی بنامی میں بہت
 گراں گزری ہم عدالت میں کھڑے ہوئے تھے اور اُن کا فیصلہ سننے کے
 منتظر تھے انھوں نے پانچ روپے دونوں بازو اُٹھائے اور کھڑے ہو گئے۔ پھر
 انھوں نے ہم دونوں کو کہنے سے لگایا۔ "بابا گورادہ! انھوں نے ڈوٹی ہوئی
 آواز میں کہا؟ اچھا اس کو ہم دونوں واپس لگائے۔ تم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے
 البتہ غلطی ہوئی ہے غلطی آدمی ہے جو ہوتی ہے تاہم تاجی بچے ہو۔"

جو غلط ہوئی ہے محض جواز، وہ خامی کا حقد نہیں گئی۔ تم نے اس جھوٹی عمر میں بڑی
 جرات کا ثبوت دیا۔ اب ہم شکوں سے بے نیاز ہو جاؤ۔ میں تمہاری دیوار میں
 میں تھا انھوں نے۔
 "مولوی صاحب! ہم سے کچھ نہیں کہایا۔ میں ہماری آنکھوں سے
 اُن شہری ہو گئے۔ اُس رات ہم کوئی چار بجے سوئے لیکن اُن کو کوئی نیند
 نہیں آئی۔
 "اب اس شہر میں ایک ہی گھر نے کالہ میں تھا مگر مولوی صاحب
 نے تین دنوں کے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ میں کو کام نہ ملنے تھے اور اُن کا خیال
 تھا کہ جب ہم کھینچے گئے ہیں تو اُن کے ساتھ کچھ پروانچ بھی کر لیں اس لیے اُن
 نے ہماری خیر خواہی سے کہے۔ انھوں نے میں خوب سیر کرنا بھی چاہے جا کر
 ہیں، کبھی اُدھر صرف دو دنوں میں انھوں نے ہمارے تمام غنم اور گھر
 دھڑلے کر دیے اُن کی خوب خدمت کرتی رہی مگر مولوی صاحب کی شکل
 میں اُن میں بال گئے تھے۔ اُن دونوں کا پتہ میں میں چلا انھوں نے
 میرے اندر کر کے لیے نئے نئے کپڑے خریدے جاوے اور خریدیں، گھر کا
 کچھ سامان لیا پھر میں رات کو رہا کا نظر دکھانے کے لیے گئے۔ میں
 جہاں جہاں گیاں اُن سے مسلمان مقامات پر چھینے کے لیے زور دیا۔
 ہمارے ایک غامض کانس پر چھینے ہوئے تھے۔ رات کا کھانا سا ساتھ
 لے گئے تھے تو ہم نے نہیں لکھا یا ستر یا کشتی کا اگلے کول میں جاتا
 تھا۔ رات گہری ہوئی تھی، اُمی کانس کے پاس سے چلے گئے۔ مولوی صاحب
 سب سے گھر اُن کے چھینے میں کوئی رکاوٹ تھی۔ ہمارے سامنے سے میں پا
 آئی آتے ہوئے نظر آئے۔ اُن کا ناٹھان میں سے ایک بے پردہ کے مجھے اس
 زور کا ہاتھ مارا کہ میں اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا اور زمین پر گر
 گیا۔ پھر کر کی گلی میں چلے ہوئی اور صدم ہو گئی۔ مولوی صاحب نے غر
 چادیا۔ دو آدمی کو اس کا اٹھا کے ایک طرف چھانچے گئے۔ پھر بہت کھانے
 کے لیے بڑھا۔ میں نے پانچ کھول لیا تھا۔ چاؤ کس کے پیٹ میں آ کر گیا۔
 اُس کی ایک کرب ناک بیچ ابھی۔ میں اُن کے کھم سے چاؤ کھینچ کے دیالوں
 کی طرح اُسے دھانچے شخص مولوی صاحب سے زور زور سے کہتا تھا میں نے
 پیچھے سے اُس کی بیچ میں چاؤ ڈال دیا تھا۔ مولوی صاحب آزاد ہو کر
 اُن لوگوں کی طرف سے کاٹھا لگا رہے تھے کہ وہ گھر کو روک لیتے ہوئے
 اندر سے میں اُسے بڑھ رہے تھے۔ مولوی صاحب پانچ ہجارتی آواز میں
 نکلا ہے تھے مجھے دوسرے شخص کی ہنست سے پانچ کھانے میں در ہو گئی
 کیونکہ چاؤ کس کی کمر میں پورا تھا۔ اُن سے ڈاؤن ہوئے مجھے دلورج
 لیا۔ مجھے کہہ اور نہ تو میں نے اُس کے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ وہ چلا جا چھپے
 جاتے میری ایک لالہ نے اُسے پہلے کاٹو میں میں لہذا وہ بہت سے کال گرا،
 چاؤ زمین پر پڑا تھا۔ اسے اٹھا کے میں نے اُس کی پیلی میں مار دیا اور
 ایک ہی وار پر میں نے اس کا سر اٹھا لیا۔ اُس کا سر اٹھا کر کڑا۔ پھر میں نے
 اُس کی طرف دیکھا۔ وہ گھر اندر میں گم ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب بھی
 نفرتیں اُٹھتے تھے۔ میں غنم میں تر رہتا۔ میں اندازہ لگا کر تیزی سے

اُس کت صاف کالہاں مولوی صاحب جہاں گئے تھے نظر آئے۔ چھوٹے لکڑی کے
 میرے پیروں پر ٹانگ کر دی۔ میں اُن سے دوڑ کر چل گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر
 دیکھا، وہ کاٹھیل تھا۔ اُس نے تیرہ بیٹی تھیں پھر چاروں طرف میں گیاں
 لگیں اور جب میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو میں ہر طرف سے گھرا ہوا تھا۔ میں نے
 اطمینان کی سانس لی تو توجہ سے ہم ہوا کاٹھیل میرے پاس آ گئے تھے۔ زور
 کھینچے براتی آ گئے۔
 اُن میں ایک اور کاٹھیل کا اضافہ ہو گیا۔
 پہلے کے تین کاٹھیل میرے ہاتھ میں چاؤ دیکھ کے مجھے
 قابو میں کرنے لگیں تھیں۔ اُن کے کاٹھیل میں نے اُسے میرے ہاتھ میں لے لیا
 وزنی بوٹ سے غھر کر میں میں بڑھ کر دہشت زدہ کرنا لیکن ابھرت ہوئے زور
 سے میں کر کی گلی میں آئی۔ میں نے پھر اُن کے حصار سے نکلنے کے لیے
 پرتوئے کاٹھیل نے دوسری غھر کر کے لیے پراٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ
 مجھے بے دم دوڑتا میں نے اُس کی ہانک چلی۔ وہ بے توازن ہو کر زمین
 پر گر پڑا، دوسرا کاٹھیل چوٹی ہوا میری طرف چھٹا تو میرا چاؤ کس کے پیٹ
 میں کوئی کڑا کچھ مجھے شگفتگی کی ہمت میں تھی۔ میں چاؤ کھانے کی کوشش
 میں تھا کہ انھوں نے چھانچے بازوؤں کے شگفتگی میں چھو لیا میری بازوؤں
 اور چپ کر برائی کی گرفت اور سخت ہو گئی اور اُس نے پیچھے سے میری
 کمر میں اس زور کا کھانا مارا کہ میں بلبلاتا ہوا زمین پر پڑا ہوا تھوڑے سا
 میں کچھ دیر زمین پر پڑا لیکن پھر مجھے ہوش میں سلا میرا زبانی تارکی میں
 ڈوبا چلا گیا۔
 آکھ کھل تو میں لگی اور کھڑی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ سامنے جسم
 میں میں گھر رہی تھیں۔ کڑی میں بھی بدلی جاتی تھی۔ سر میں کچھ اور غن
 میں سننے ہوئے تھے۔ شہر دوانی پر سفیدی پرانے نام روٹی تھی ہر طرف
 غنم کے دھتے تھے ہاتھوں پر میرے پیروں پر غنم کی خون جمارا
 تھا۔ کہے میں ایک دوسری روشنی کاٹھیل تھا۔ اُن کاٹھیل میں سلاخوں کے
 پیچھے دوسرے سنتی پیرا رہے تھے۔ میری آہٹ پر انھوں نے غر سے
 میری طرف دیکھا جیسے میں کوئی پاگل تھا۔ اُن کی آنکھوں میں نفرت
 اور عقارت تھی ناگ کیا ناگ گیا۔ چوٹی۔ انھوں نے صلا لگائی۔
 اُن کے صلا لگنے کی دیر بھی کسلاخوں پر بہت سے پاسبانوں کا
 اجتماع ہو گیا، وہ سب حیرت اور فتنے سے مجھے گھر لے گئے تھے کسی کی نظر
 میں سدری میں تھی۔ غنم طرح کی گایاں دی جا رہی تھیں یہی میں اور
 جن کے شعلہ شرم تک مجھے ہر جگہ تھے۔ سالہ شکل سے کیا معصوم
 نظر آتا ہے۔
 "ایک دم وہ بڑی بے ادبی اس کی غر دیکھو۔
 "چڑھ جاتا سناں پیرام میں کریں گے۔
 یہ سب آوازیں میرے کانوں میں چھو رہی تھیں یہ آوازیں
 اُڑنے لگا۔ میں نے لڑکھائی دی کہ یہ تو ایک ڈرونا خواب ہے۔

آکھ کل جاسیگ اور میں اپنی دنیا میں داپس آ جاؤں گا۔ میں نے ہشت سے زمین پر جا چاؤں مانے مگر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ حالات کی سخت اور کڑی زمین سے میری جلد چیل گئی۔ ان کی ہنسی گلی گلی۔ ساہا بل جنگی ہے۔

میں نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا اور کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ پھر ایک ایک ان کی زبانوں پر نالغہ کر گیا۔ ایک ہماری بھوک آواز سے ڈیٹ کر اٹھیں سلاخوں سے دوڑ پونے کا حکم دیا۔ میں نے زمین سے سر اٹھائے دیکھا۔ پریس کی وزی میں بوس لیے تھا ایک شخص مجھے زیر بلی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کوئی انکیٹور کا۔ اسے لبرلاؤ۔ اس نے ہنسی سے سختی کر کے کہا۔

منہ ہی دروازہ کھول کے روٹنے ہی پر کھڑا رہا۔ میں نے صاحب باسے ہیں۔ اس نے مجھے نیت سے مخاطب کیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ مجھ میں کوئی نہ کی جی ہمت تھی اٹھنا سے نہیں کیا داغ ٹھکانے لگاؤں؟ میں نے کھانسی کا آٹھا پھا مگر آٹھ دن کا سالانہ رہا ہے۔

”تم اسے کھانسی سے میرے پاس لاؤ۔ انکیٹور سے شاید میری خوش حالت کا اندازہ لگایا تھا۔“ بغیر اسے کوئی ضرب نہ پہنچانا بہت احتیاط سے فتر میں پہنچاؤ۔

منہ پر کوئی اور ادا تھا۔ کاشورہ دیا گیا تھا مگر انھوں نے مجھے کسی جانور کی طرح کھینچا تھا۔ سے چلا میں جا رہا تھا۔ میں اسے منہ سے جو بھول گئی وہ مجھے کھینچتے ہوئے راز سے کہیں لائے۔ اس وقت میرے ذہن میں ایسی عینوں اور کڑیوں کے احساس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں وہ دم چلا ہوں گا کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا اور میں گرتے گرتے جی میری اندر کو کھڑی سے میرے پیٹے ہوتے پاسوں میں انتشار مایہ پڑا تھا۔ ایک مختصر تنگ۔ راستے سے گزرا کہ انکیٹور کے کمرے میں پہنچا رہا۔ وہاں پہلے ہی دھلا کے پولیس انفریجیجے ہوئے تھے۔ اسے پانی پلایا؟ انکیٹور نے پوچھا۔

میں خاموش رہا۔ ایک سپاہی نے مجھے جھڑک رہا؟ صاحب نام پوچھتے ہیں۔ سیدھے کھڑے ہو۔

میں نے زبان نظروں سے کر کے جاکر لیا۔ ”میرا نام... میرا نام نظیر خاں ہے۔“ میری رزنی ہوتی آواز ابھی۔

”نظیر خاں؟ اس نے ٹھہرا۔ باب کا نام؟“

”جن خاں؟ میں نے مختصر جواب دیا۔“

”ست؟“

”میرا کوئی پتہ نہیں؟“ میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”تھمارا کہاں ہے؟“ کاٹھیل نے مجھے غوکا کر کے پوچھا۔

”گھر؟ میں نے آہستگی سے کہا۔ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔“

”تم کتنے بڑے تھے؟“ انکیٹور نے خائیں جانب منہ کر کے پوچس اس نے دل چاہی سے پوچھا۔ ”نیکو دیاں صاحب! تم نے رات میں تل کیے میں سب کمرات صاف تیار تھو۔ تیار یہ پلہ بایان بہت تم جوگا۔ کھلاؤ نہیں، کھل کر بات کرو تم کھٹکتے کب آتے؟“

”بہت دن ہو گئے۔“ میں نے بے خیالی کے انداز میں کہا۔

”میاں کہاں جتے تھے؟“ انکیٹور کو میرے جوابات پر عقد آنے لگا تھا۔ عین میں میں ابھر دھڑلے میں نے بے چارگی سے کہا۔

”صاحب! اس طرح میں بولے گا۔ اگر حکم ہو تو اس کی زبان کھٹے کا انتظام کروں؟“ کاٹھیل نے میرے زور پر گرفت سخت کرتے ہوئے کہا۔

”جس پر؟“ انکیٹور نے ذات کر کہا۔ باب نظیر خاں اسکتے سے پہلے تم کس شہر میں تھے؟

”میں ایک شہر میں رہتا تھا۔ مگر تھنا تھا۔ میں پہلے یہ جانا چاہتا تھا کہ وہ مروی صاحب کے پاسے میں کچھ پوچھتے ہیں یا نہیں؟“

”ماں باپ نہ دیے؟“

”میرے؟“ میں نے کرب سے کہا۔

”کوئی عزیز رشتہ دار ہے؟“

”سب مر گئے۔“ مجھے کوئی تپیل۔

”جو رہے؟“ انکیٹور نے اپنے ساتھی پولیس افروں کی جانب دیکھتے ہوئے منہ نیابا۔ شاید کاٹھیل کے شوشے سے مل کرنا چڑے گا۔

”نہیں؟“ افرنے سختی سے منع کر دیا۔ اس کی حالت پہلے ہی خواب ہے۔ اس نے نگہ بندی میں کہا۔ میرا خیال ہے میں زیادہ دھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک صاف مقدمہ ہے۔ مطلب کی بات پوچھو۔ پھر وہ مجھے مخاطب ہوا۔

”گھر ڈھنکا کھانے جاتے ہو؟“

”میں جواب دینے میں پھر جھکاؤ نہ جاننے کے برابر۔“

”یہ جانو کس کا ہے؟“ اس نے میرا حوالہ لے کر کہا۔

”میرا ہے۔“ میں نے نقاب سے جواب دیا۔

”اور یہ تیروں کی مالا؟“ اس نے میری آنکھوں کے سامنے مالا گھماتے ہوئے کہا۔

”یہ بھی میری ہے۔“

”چراغی ہے؟“ وہ اس کے لولا۔

”جی نہیں، یہ میری ماں کی نشانی ہے۔“

”ماں کہاں ہے؟“

”ماں بھی مر گئی۔“ میں نے لپکتے ہوئے کہا۔

”مک کہاں؟“

”نکھنوں میں۔“ میرے ذہن میں یہی ہی نام آیا۔

”لوگو! تم کھنڈے لٹکتے رکھتے ہو؟“

”جی نہیں، میری ماں کو مرے سے بہت برس ہو گئے ہیں۔ اس وقت میں بہت چھوٹا تھا۔ مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ وہ کھنڈے شہر میں تھیں۔ ہم دونوں ریل میں سفر کرتے رہے۔ کوئی چور سامان میں یہ مالا دیکھ کے میرے پیچھے پڑ گیا۔ چنا چنا نے احتیاطاً اسے میرے گئے میں بنیان کے نیچے چھپا دیا۔ اس کے بدلہ میں ریل میں سوتا رہا اور اٹھا تو مال نہیں تھی اور وہ بھی میں تھا۔ میں نے اس کو بہت تلاش کیا۔ اس کا میں پتہ نہیں چلا۔“

”ماں کو جو رسے لگا؟“ انکیٹور نے منہ کر کہا۔

”انکیٹور صاحب! میں اپنی پوری توانائی سے جستجی کرتا تھا۔ میری کوئی ماں ہوگی۔ مجھے اپنے چنانچہ افرامیروں میں اس کے بارے میں ایک لفظ نہ یاد نہ رہا تھا۔ کسی سوال کا جواب میں دونوں گامی جھری جھری کا ذرا قیامت شاد میں تھا۔ اسے سامنے ایک مجرم کی طرح کھڑا ہوں۔ میں میری بھی ایک ماں تھی۔“

”تیس دلچسپ ہوتا جا رہے خاموشی لڑا کچھ اچھی داستان سناتی ہے۔“ پولیس افرنے انگریزی میں تبصرہ کیا۔ پھر ہم یہاں لے شہر شہر گھومتے رہے۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ ان جھکی۔

”چنا چنا خاں؟“ انکیٹور نے سر پھیل میں پوچھا۔ رات کیا واقعہ پیش آیا تھا؟

”مجھے نہیں بس میری قسمت خراب تھی۔“

”دو تو ہے لیکن میں اس کا فائدہ کچھ نہ کھاتا۔ اور دولت میں شل کرنا۔“

”تم جا کر دوسرے کتنے ہو۔ اس کا انھوں نے مروی صاحب اور کروڑ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھے ضرور سوال کرتے۔ میں نے چند لمحوں میں تراویں بائیں سر میں لاش مجھے جواب دینے سے پہلے یہ معلوم ہو جا کہ ان دونوں بریک گزری؟ میں دو آدمیوں کے قتل سے انکار کر رہا تھا۔ انکار کرنے کی کیا حرج ہوتا لیکن کاٹھیل کے قتل کے تین چار روز گزر چکے تھے۔ ان کا قتل کاٹھیل کے پیٹ سے بھاگتا تھا۔ وہ تھا۔ اس کے صفات ظاہر تھا کہ ریت رنگ کے پیچھے اٹھیں جو وہاں شل پڑی ہوئی تھیں وہ بھی اسی سے ٹکرائی گئی تھیں۔

وہ وہ جانا چاہتے تھے میں نہیں کیا وجہ بتاؤں مجھے خاموشی دیکھ کے انکیٹور نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ”ہمارے سوال کا جواب دو۔“

”میں۔“ میں نے ایک ایک کر کہا۔ ”میں نے اس کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ دو آدمیوں نے مجھے چلو کر دیا۔ میں نے اپنے پاس کے لیے ان پر جوابی حملہ کر دیا۔“

”کیا تم انھیں پہلے سے جانتے تھے؟“

”نہیں۔“ میں نے ان کی شکل کو بھی نہیں دیکھی تھی۔“

”وہ تم سے کیا جانتے تھے؟“

”پتہ نہیں۔“ میں نے سامنے سے جواب دیا۔

”کیا انھوں نے تمھیں جھڑکا؟“ انکیٹور نے سنا کر کہا۔

”انھوں نے اتنے ہی مجھ پر حملہ کر دیا۔ شاید وہ میری مالا مجھ سے چھین لینا چاہتے تھے۔“ میرے لیے اس کی تھی گئی۔

”اس میں یہ کیسے معلوم ہوا کہ تمھارے پاس ایک تھی مالا ہے؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

”اور انھوں نے کیا کیا؟“

”انھوں نے میرے سر پر ان پر ہاتھ ڈالا۔ ایک نے میرے گال پر مٹکا مارا۔ میں نے جا کر دھکا دیا مگر وہ نہیں مانا۔“

”تم اصراف کر رہے ہو؟“ پولیس افرنے کہا۔

”میں کچھ جان کر جاؤں، مجھے معلوم ہے کہ کھنڈے کا کوئی قہرہ بڑھ نہیں ہوگا۔“ میں نے سخت غور سے کہی۔

”اور دوسرا آدمی؟ وہ تو پہلے آدمی سے خاموشی دور رہا یا کیا؟“

”انکیٹور نے جس سے پوچھا۔

”جب میں نے جاننے کی کوشش کی تو وہ سر سے آدمی نے نیلا تعاقب کیا، پھر میں نے اسے بھی اڑایا۔“

”اور کاٹھیل؟“

”مجھے معلوم تھا کہ مجھ سے وہ آدمیوں کو چلے۔ میں بھاگنا چاہتا تھا کہ کاٹھیل نے میرا راستہ رکھ دیا۔ یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

”کچھ اور پوچھنا ہے؟“ انکیٹور نے پولیس افر سے پوچھا۔

”بھلاہر کافی ہے لیکن صرف فائدہ پڑی کے لیے مجھے یہ حالہ تجویز نظر آ رہا ہے۔“ پولیس افر نے انگریزی میں کہا۔ میں نے سمجھا کہ اس تیز لڑکے نے جو بیان دیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ بہر حال اس نے خوف کر لیا ہے۔ میں اپنے طور پر تفتیش جاری رکھتی چاہیے۔ کیا یہ معلوم ہوا کہ باقی دو مقتول کون تھے؟

”نہیں۔“ افری ان کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلا۔

”اس لڑکے کی زبان اور پھر صاف ہے۔ تم نے اس کا خاص بات پر توجہ دی؟“ پولیس افر نے پوچھا۔

”تو توجہ دینی بہت سی باتیں پر دینی ہے میرا خیال ہے میں
 آج صبح اسے حالت میں نہیں کرنے کے لیے خامی معلوم حاصل ہو
 گئی ہیں۔“
 ”اسے خامی منتروں کی حفاظت میں رکھا جائے پولیس میں شامل
 پھیلو پڑے پولیس افسر نے کہا۔
 ”اس ملا کے لیے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ انکسپرنے فریاد کیا۔
 ”میں سمجھتا ہوں کہ ایک سیش قیمت ملا ہے۔“
 ”مجھے تو فلتی نظر لگتی ہے نہ اس پر سے کچھ“ انکسپرنے اسے انکری
 طرف اشارہ کیا۔
 ”نہیں کچھ کچھ کال کا جائزہ لیا اور انکسپور کی طرف بھیجا انکسپور
 کے کچھ کے پکڑا ہوا تھی پھر پہلے افسر نے لا دوسرے انکری طرف بھاگا
 دی کیا خیال ہے؟
 ”قتل کا کیس ہے“ اس نے منہ میخیز انداز میں کہا۔ ”میں یہ بالائی
 سیل کو دینی چاہیے اس سے پہلے کہ...“
 ”تمہاری رائے صحیح ہے۔“ انکسپرنے باتوں کی زبان سے سارو ملا
 اس کے ہاتھ سے تقریباً عین بدلی اور لٹا ہے میں نیکر کے سیل کو دیا۔
 ”میں نے تینوں پولیس افسروں نے سیدھا کیا دوسرے ایک الماری میں
 منتقل کر کے الماری میں سیل کو دینی تھی تم کو اور کیا چاہتے ہو؟“ انکسپرنے
 گری دار آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ ”وہ تمہیں قصے سے اس ابتدائی
 بیان کے بعد حالت میں نہیں کر لیں گے؟“
 ”مجھے کچھ اور نہیں کہنا۔ میں نے اس سے جواب دیا۔
 میری آنکھوں کے نشانات لے کے مجھے چھوڑا انکسپور کی کھڑکی
 میں چھینک دیا گیا مجھ کی روشنی چھیل چکی تھی۔ میں ایک کونے میں سر جھکا
 کے بیٹھ گیا۔ میں نے تھانے اور حوالات کے بہت قیمتی تھے تھے اور
 بہت کیا خیال پر بھی تھیں۔ میں کیا میں دنانہ تھانے کی عمارت سے
 گزرتا تھا لیکن اندر سے تھانے کا کبھی نہیں دیکھا تھا اور میری کسی
 پولیس افسر سے بھی دوستی نہیں تھی۔ میں نے ایک شخص پولیس میں ملازم تھا۔
 مجھ کے چہرے سے ڈرنا تھا کیا کہ ایک شخص نے مجھ کو لے کر کچھ چوریاں
 ان وقت حوالات میں بھیجا تھا۔ ایک مہینے میں کیا سے کیا ہو گیا تصور بھی
 نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ دن کیجنا تعجب ہو گا۔ اگر کسی طرح با آوری کو
 خبر ہو گئی کہ ان کا بیٹا تال ہو گیا ہے تو ان دونوں کی حرکت قلب بند چلتے
 گی کہ وہ رانگوں سے سنا تیز دوڑنے کا بھی نتیجہ نکلتا ہے اب چھینکنا
 کیا فرق ہے۔ میں نے اس وقت فریاد کر کے فلتی کی سزا بھی معلوم ہے
 کاش سزا ملے سے پہلے مجھے معلوم ہو جائے کہ کورا محفوظ باتوں میں لپٹے
 گئی ہے کاش ایسا ہی ہو۔ وہ میری طرح ہے میں نے سہ گئی۔ میں نے اپنی
 دانت میں کوئی شے چھوڑی تھی میں نے تو مولی صاحب کو سننے کیا تھا

کہ وہ رات کے وقت میرا کہہ کر جانے کا ارادہ منوئی کر لیں حالات عجیب
 ہو جائیں گے تو بہت سے دواؤں کے کٹاے جاکے میری کمرے میں کچھ مولی
 صاحب نے فلتی اور میرے بیان جتنی میں غصے کے طعنے لگے کہ وہ ملے گئے۔
 ممکن ہے مولی صاحب کے ساتھ بھی کوئی حادثہ پیش آیا ہو،
 وہ تیار و بدعاؤں کا خاتمہ نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ صحیح دسلامت
 ہیں تو مجھے ضرور پتہ چلے گا۔ میں نے شاید آجائیں یا شاید نہ آئیں جہاں ہیں
 یہ معلوم ہو گا کہ میری گزرتی آدھیں کا خون ہے تو وہ وہیں میرا
 فرشتہ ہے۔ مجھ کے دل کے اندر کسی شخص سے بچنے کے لیے میری خبر لیتے
 نہیں آتے ہیں گے اور اگر وہ کورا کو ختم کر کے قبضے سے آزاد کرانے کا کیا
 پتہ ہے؟ میں کا امکان بہت کم ہے تو میری وہ دھڑکن آجائیں نہیں ملے
 مالا معلوم ہے وہ مجھ کے کسی طرح اپنا تعلق نکال کر بائیں چاہیں گے۔
 پھر پولیس ان کے فریاد میں لگ جائے گی اور اگر وہ کچھ جانے کی مولی
 صاحب کا نہ آنا ہی بہتر ہے وہ بچے میری وجہ سے کیوں انکسپور میں نہیں
 ملی الصالح منتری مجھے انکسپور کے کمرے میں ملے جلے تھے میرا
 جوڑ جوڑو کہ رہا تھا لیکن کسی زخم کا احساس میں تھا۔ وہ آدمی کو زخم
 کہاں ستاتے ہیں میں نے شہر میں ان کے دو چھینک دی حوالات کی کھڑکی
 سے بھی اجنبیت تمہاری بارش تھی، ایک منتری نے سلاخوں سے اپنی لاکھوں
 اندر کو باہر دھر لے اس نے تھارت سے کہا۔
 ”میں اس کے لیے چھوڑوں منتری اور تھانے اس کے لیے وہ ہیں
 نے کلاس کے کمرے میں وہ زمین چھوڑے۔ میں نے اسے اور گتے سے اپنی پونچھ
 کے چھریاں بگاڑ دی۔ منتری نے مجھ کو کلاس چاہتے سلاخوں سے میرے
 ہاتھ میں تھادی، شہر میں کلابانی حمل دیا گیا تھا کبھی کلاس میں چلے
 نہیں تھے کبھی کبھی حوالات میں بھی نہیں ملتا تھا۔ میرے شکر کے ایک کھنڈ
 مجھ کے شوق سے سادگی بھر پور تھی۔ میں نے انکسپور کے دو کھڑے مجھے
 دبانے کو راہ پر گزری ہوئی وہ میں نے اسے دیکھ کر دیکھ دیکھ
 بے اختیار رونانگا۔ منتریوں نے بھی میری چھینکوں کی آواز سن لی،
 آنسو ایسے اڑا کر اٹھے کہ آئے کہ یہ خبریں نہیں ہوتی کہ کوئی دیکھ
 رہا ہے اور کون نہیں کہتا۔ مجھ پر غشی مل رہی تھی۔ جوش اپنے حال
 بیگانہ ہو گیا۔
 منتریوں نے اندر کے مجھے چھوڑا تو مجھ اپنا پتہ چلا۔ چلو
 عمارت میں چلنا ہے۔ منتری کی آواز میں پہلے بھی گرج میں تھی اب
 وہ نیکوں ہے۔ چلو آؤ۔ اس کے ہاتھ میں چھوڑا انکسپور میں نے
 باتو آئے کو دینے وہ نہ وہی زنی تھوڑی تھیں۔ تھانے کی چادر پوری
 میں کھڑی ہوئی نیکو گڑی کے قریب مجھ سے دوسرے سے سپاہیوں کے
 پیرو کر دیا گیا اور انھوں نے مجھ کا گڑی میں غشی دیا۔
 کوئی ایک میل راستے کا کورا کمرے میں چلے گئے تھے کہ ایک بڑے
 سپاہی نے تھانے سے کہا کیا کیا کچھ؟ ہر وقت شہر سے تو گزرتا رہتی ہیں

میں نے ایک سو اڑھ چھری کیا تم خاموش نہیں رہ سکتے؟
 ”تیری مرضی مجھی، مجھ پر اس کا ہے۔ سپاہی نے چھری سے کہا۔
 ”میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنا کمزور نہیں دیکھا۔“
 میری خاموشی پر سپاہی بھی چپ ہو گیا کھڑکی میں تنہا رہا
 چلتی ہوئی ایک بجا گئی، سپاہیوں نے مجھے اشارہ کیا۔ چلو ناہان کے
 پاس چلو جاؤ تو وہاں بدل دینا میں پیر صاحب سے تیرے لیے ضرور
 دوا کر دوں گا۔ ایک سپاہی نے جیکے سے کہا۔
 وہ میرے اور دوسرے چاروں کے ہونے ایک بڑی عمارت میں داخل
 ہو گئے وہاں چار معمولی چھری، چھم، سپاہی، دھکیل، چور، گناہ، تماش، بین
 انھاری قادیسے، نوکر، گزرتا، نوکر، آدھی تھوڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا
 سارا کھتہ چور ہے اس طرح ایک سب کا فیصلہ ہونے والا ہے چار سپاہیوں اور
 انکسپور کے کمرے میں مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ پھر شہر میں تیرے
 دیکھ رہا تھا وہ کلاس کے کمرے سے اور میں کی نظر پھر نہیں پڑی تھیں،
 انھیں میرے پیار کے لیے اس کے تھے۔ وہ دہلی سرگوش میں نہیں انکسپور
 میرے آگے ہر شاخے اور گزرتی سے بے نیاز ہو کر ساتھ چور کے بیان
 گزرتا تھا میرا دم گھٹنے لگا۔ ایک کمرے میں داخل ہو کر انکسپور نے حوالات
 کے سامنے میری فالتی چھری کوئی۔ میں فریادیں دیار سے چپکا کر اڑا ناخال
 کے سر پر چلائے کے بعد حوالات میں ایک اندر کے میرا جائزہ لیا۔
 ”یہ وہ ہے؟“ اس نے تعجب ہو کر پوچھا۔ ”یہ یہ قاتل ہے؟“
 ”جی جناب عالی اس نے اس وقت فریاد کر لیا ہے“ انکسپور کے شاخے
 پر مجھے غریب کے رو رو کر پیش کر دیا گیا۔
 اس نے پھر غریب چھائی اور قاتل پڑھنے لگا۔ ”بیان ہی کا ہے؟“
 اس نے تذبذب سے پوچھا۔
 ”جی جناب عالی“ انکسپور نے مختصر جواب دیا۔
 غریب کچھ دیکھش میں ہٹا رہا۔ ”تھیں مزید میں کاروبار
 در کلاس ہے۔ اس نے انکسپور سے کہا۔ مالاکو کیس تو صاف ہے؟“
 ”میری تفتیش میں نہیں ہوتی ہے جناب عالی“ انکسپور نے جواب دیا۔
 کیا مجھ نے نہ کاغذ پر دستخط کر کے کھان میں پیش کر کے کاروبار
 مجھے دیکھا دیا گیا تھا پھر انکسپور میرے کمرے میں دیکھ کر کہتی رہی۔
 وہ میں نہیں کہتا کہ وہ میری کمرے میں ہوتا تھا کہ غریب پر حیرت
 چھائی ہوئی تھی وہ مجھ پر غشی میں تھا دیکھتا تھا، کبھی انکسپور کی فالتی کاغذ
 مل کر چلنے کے بعد مجھے حالت سے اٹھایا گیا، اور جب طرح لیا گیا تھا انہی
 حوالات میں چلے کر کھڑی میں بند کر دیا گیا۔
 سب کو ایک میل ہوتی رہتی اور پتہ والی سلاخوں کے اندر
 سسکائی گئی۔ وہ مجھے تھے کچھ شاید بھوک لگی ہوگی، میں نے
 ناناں آواز میں ان سے کہا کہ اسے جلاؤ۔
 ”کھانا ملاں جی کھانا منتری نے چکار سے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“
 ”کیا کھانا پسند نہیں آیا؟“ یہاں گزرتا اور کچھ روٹی نہیں ملتی،
 یاں ہی اس کی عادت ڈالو انکسپور کے کھانے کا۔
 دال اور روٹی نامک یوں ہی پڑی رہی اور میں ایک گڑھے میں
 سے کھانا کھا رہا تھا۔ میں نے کمرے میں اور اس کا کچھ کئی کچھ انہی
 فریاد لیتا تھا۔ اپنا کھانے کی تھی اور انکسپور میں تر رہے تھے
 گتے تھے کبھی ایسا خوف مل رہا تھا کہ میرے کھانے کی نظر میں آتا تھا جہم
 میں بیٹیاں ہی کچھ رہی تھیں اپنے آپ سے اس کے کھانے کی قوت میں نہیں
 رہی تھی، ہر طرف شام کا دیرانی اور تھانی تھی۔ ایسا کھانا تھا جسے یہ لڑکی
 پھر پھر جان لی اور دیواروں میں بھجے ہوئے کوئلے پھر میرے سر
 پر پڑنے لگیں گے۔
 شام کو پھر مجھے انکسپور کے کمرے میں طلب کر لیا گیا اور سلاخوں کی
 بھوک لگتی تھی، میرے حوالات سے انھیں مالوی ہوئی کوئی کمرے میں نے اپنے بیان
 میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی مولی صاحب کو آنا ہوتا تو ایک آگے
 مجھے وہ دیکھ کر کہ مجھے غفلت کم کے سوال کرتے تھے۔ پھر وہاں
 میں گفتگو کرنے لگے۔ اس بیان کے چھوڑ پھوڑ میں اسے انکسپور کے شاخے
 تھے ان کی پس کی گفتگو سے مجھے اس کا مزہ لگنے لگا۔ کوئی شہر میں
 ہوئی کہ پولیس منتروں کے گدے سے کچھ معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہی
 ہے۔ ان کے منتروں کے مطابق دونوں قاتلوں کے کاہل درجے کے
 بدعاش تھے۔ ان کے ساتھیوں سے رابطہ قائم کیا گیا کوئی تھوڑی بات
 نہیں معلوم ہوئی۔ سب سے زیادہ شہر میں فالتی تھی پولیس کو موتی وارڈ سے
 بھاگنے والے وہ بدعاشوں کا کچھ نہیں معلوم تھا۔ اس لیے کہ ان کا ذکر
 ہی نہیں کیا جا رہا تھا کہ سپاہیوں نے صرف مجھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔
 مولی صاحب اگر اور تھانی وہ بدعاشوں سپاہی کی نظر میں پڑی تھی۔
 میرا واقعہ ہی اتنا عجیب تھا کہ وہ میری طرف توڑے کچھ نہیں سمجھتے
 تھے وہ میں ان کے کاہل سے مل جاتا۔ مجھے آخری بار دوسرے کوڑکی
 ایک جھینسا تھی وہ تھی حوالات میں نہیں تھی۔ اگر مولی صاحب
 کوڑکی چھوڑے میں کا کباب بھی ہو گئے اور پولیس نے طلبہ بدعاشوں
 سے رابطہ میں قائم کر لیا اس بات کا امکان میں تھا کہ وہ وہاں جاتے اور
 پرانی موروں کا آؤ کر لیں گے۔ پھر مجھے بار بار بلا ہوا اور مجھے بتایا
 گی کہ منتروں کی کلاشوں کے پورٹا مارے سے ظاہر ہے کہ منتروں کے نشانات
 آئی چاقو سے کھائے گئے ہیں جس کی ملکیت کا میں نے پہلے ہی قرار کیا تھا۔
 ایک دن گزرا، میرے معدے میں خنکایا ایک اور بھی میں لیا تھا۔
 دوسرے دن دوسرے مجھے ہوا کھانا کھایا گیا اور شام کو میرے سر پر ملنے
 مارے گئے تھیں ان کے نام سے میں نے تفصیل سے بتاؤں۔ وہ کچھ فری
 سمجھتے تھے اور پھر پڑتے دیکھ کر کہتے تھے کہ میں نے کچھ نہیں بتایا۔ میں
 اپنے پچھلے بیان پر پھر رکتا رہا۔ میں نے حقیقت چھ کر ان سے کہا کہ میں نے

حضرت کرپا ہے تو تم اور کیا جانتے ہو؟

جیل نقل کر دیا گیا۔



حالات کے حوالے سے جیل کی نمائندگی بہتر تھی۔ اس چار دیواری میں اس کے سکون کی ساسی میرے پیروں میں جڑیں ڈال دی تھیں اور مجھے ایک تاریک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ کوٹھری میں پہلے سے ایک شخص مقیم تھا۔ مجھے کچھ کے اس کے ہنسنے پر شک کاہٹ اور آنکھوں میں چمک اُبھری۔ میں چپ چاپ ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ وہ اپنی بیڑیاں محو تماشیا میرے پاس آیا میری نظروں میں جھکی ہوئی تھیں۔ اس نے درستی سے میری ٹھنڈی اور سا خالی اور غرور سے میری آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ لاٹھیاں تو جیساں آگیا میری آنکھوں میں اس نے زور سے دھکے کھائے کہ کال ہے۔ ٹوٹنے آئی میری کال کال کر دیا۔ اس کے علاوہ وہ جس سے بولا۔

خود کو مار دیا۔

میری آواز میں کوئی بات ہی نہ تھی کہ وہ میرے قریب پہنچ گیا اور میرے کال کے قریب نہ لگتے تھے راز داری سے بولا۔ ایک کتبہ تھا۔

”میں؟“ وہ اٹھ کھڑا۔ شاہاش۔ اپنی قسمت بھی کیسی بنی ہے۔ میرے رب! وہ جیت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ڈر رہا تھا کہ کوئی کوئی جیل تو کراؤ اور زور ڈال دیا جلتے ہی مارا دی دیا۔ تیرے صدمہ جاتوں مالک۔“ اس نے ایک کے میرے کال کا پورے لیا۔ میں نے گھر کے سامنے بکھا دھوئے ہوئے بولا۔ کیا سو گیا تھا لاٹھ سے؟ کچھ نہیں۔ میں نے گھونکے کہا۔

وہ یہ تھا شائے لگا۔ بالکل نیا نیلے رنگ میں نیا نیا ہے۔ سب چیز تیری نئی معلوم ہوتی ہے پائے۔ جیل میں جید جاؤ کیسا۔ بتاؤ میری جان بتاؤ۔ ایسا ہے۔ میں کال پوچھ کر دیا۔ سو جائے گا۔ اب تو اس کوٹھری میں آگیا ہے تو اپنے کو کرنا کچھ۔ دانا پھلتا ہے تو پہلے دے پھر بعد میں کچھ بڑی چوٹی۔ اس کی تو میری طرح ہے۔ گائیے۔ کچھ بات بات لگتی ہے۔ ”تم کوں ہو؟“ میں نے سر اٹھ کر پوچھا۔

اس کی چوٹی چوٹی گئی۔ وہ بار بار پوچھتا ہے تم کوں ہو؟ اپنے آپ کٹھن میں بیٹھا۔ اسے تو جوتے ہیں میں میں۔ ہم دونوں کی ایک ہی ذات ہے ایک ہی دھرم ایک ہی عقیدہ۔ کوئی یوں کا تو کال کا ہے۔

وہ عجیب آدمی تھا۔ میں نے ایک بار کچھ کھانے سے اسے میرے پرکھ دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ میری طرح جیل کا کاس پینے ہوئے تھا۔ اس کے پیروں میں بھی بڑیاں تھیں۔ میرے پیروں میں بھی بڑیاں تھیں۔ اس کے راضی بہت دن سے نہیں بنائی تھی۔ اس کے انت میں بھی زور دھوئے تھے۔ ”تم یہاں کیسے آئے؟“ میں نے پوچھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

”غریب میرے گھر سے بارشاد۔“ اس نے میرے کال کی پچھی لے لی۔

دک کر کہا۔ ”کچھ نہیں گولوں کے لیے ہی ہے جو کہہ کر کہتے ہیں کچھ نہیں دکھا کہتے ہیں ایک دو کو نہ کہتے ہیں۔“

”تو کیا تم بھی تو نے میری کوشش کی ہے؟“

”مگر تو مجھ سے بڑی ہے۔ کیا مجھ سے تو ایک آدمی بھی ٹھیک طرح نہ سر پایا تو نہ جھانکے اسے نازک ہاتھوں سے تین کرنا دیا؟“

”میں نے قبول کے پیٹ میں جا بھرا دیا۔“

”ایسے اہ۔“ اس نے کھل کھلا کر کہا۔ جاری ہے؟

”نہیں۔“ میں نے نہ نہ کر کے کہا۔

”پھر کوئی دھوکا دیا تھا؟“ اس نے اٹھ کر کے کہا۔ میں نے نفی میں ہنسا ہنسا شروع کیا۔ حیرتوں میں لوں کو دیا تھا۔ وہ خاموشی سے مٹنا رہا۔ جب کاشیل کے پیٹ میں پانچواں نازک بات آئی تو اس نے زور دیا۔

”تو مجھ کے بھانپنے بازوؤں میں سیٹ لیا۔ ایک بار میرے سنا ہے۔“

”تو اس نے مجھے اذکار کرتے ہوئے کہا۔ یقیناً میں آنا۔“ میں نے کاشیل والا راز تو اسے دوبارہ سنا۔ ”تو نے تو بار بار بٹے بٹے سنا دیا کہ ایسی کی ایسی کوئی عورت تباہی ان دو دھڑلے تو میرے حلوں میں کیا تھا؟“

”کچھ کچھ تھا۔ ناہیل۔ یہ تھا ناہیل ہے۔ یاد دل گا کر ہے؟“

”مجھے جیل معلوم نہیں۔ ایک ایک انھیں نے مجھ کو ڈر دیا۔“

”ایسے کوئی دھوکا دیا تھا؟“ میں نے پوچھ کر کہا۔

”پتہ نہیں۔ وہ مجھ کی طرح تھے۔“ میں نے مصرویت سے کہا۔

”میں بتاؤ ہیں وہ کچھ لڑنا کچھ تھے۔ تو نے ضرور جھوٹا کیا ہو گا۔“

”لاٹھ لڑنے لڑنے انھیں ٹھکرا دیا ہو گا۔“

”کیا بات کر رہے ہو؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”اب جانو نہ۔ وہ سکر تے ہوئے بولا۔ دیا کا کہہ ہو نہ بتائی ہوہارت ہوہارت سے غلب ہو۔ تو جو بھی زور پھرتا ہے۔“

”تم مجھے جو بھی پھرتا ہو۔ میں نے ناراضی سے کہا۔

”اسے سنو۔“ وہ اپنے کان چڑھتے ہوئے بولا۔ تو جی جی بول رہا ہے۔ غریب میں تو جوتے کے گاٹر م آتی ہے۔“

”مجھے معلوم تھا کہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔“

”میں نے اس کو کچھ چلی رہتی ہے اور میری کچھ کچھ بھی لگ جاتا ہے۔“

”تم جیل میں پہلی بار تے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”پہلی بار۔“ وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ ”اُمی مجھے نہیں جانتا۔ بے حسنتی کر رہا ہے۔“

”کنو سے یہ تو نہا کر ہے۔ اس بار دہرایا تھا۔“

”دوبارہ کوٹھری میں رہنا پڑا۔“ اس نے بارشادی یاد آئے۔ میری کاشیل نے ان کو لڑائی سے روکنا۔ ”پانچواں کوئی کچھ نہیں ہے۔ ٹھنڈے ہوا کا مہر گیا تو رات نہ لے کر نہ گئے۔“

”مجھے کیا تم جانتے ہو؟“

”لیسے اگر مجھ میں تھیں تو یقیناً اس کیوں توڑیں؟“

”کیا اتنے خیال میں میں پتہ لگتا ہوں؟“ میں نے تیزی سے کہا۔

”کوئی دلیل کیا ہے؟“

”میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ میں اس دنیا میں نہ تھا ہوں۔“

”کیجئے تو سے سرت کر گئے۔“

”دلیل کو تو جی کا ناچ پنا دیتا ہے۔ ایسے پائت ڈھرتے لگتا ہے۔“

”جہی عدالت کچھ کر رہ جاتی ہے۔“

”مگر۔“ میں نے لڑائی پھینک دی۔ ”وہ مجھ میں کیا ہے گا۔“

”ایسی نا اُمیدی؟“ وہ میری کمر پر ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔ کوشش کیسے میں کیا حیرت ہے؟“

”میں کسی سے بات نہ کرنا ہوں۔“

”زندگی بڑی چیز ہے لاٹھ۔“

”کیسے اپنا حال دیکھا دھڑی سے ناہر کر رہی ہے۔“

تھا اور بیٹوں کے ایک بڑے گروہ کا سربراہ مقرر ہوئے۔ اسے تعلق رکھتا تھا۔ ریٹنڈا میں اس کے ساتھ پڑھنے والے ایک چارے بیٹے تھے۔ اس کے لئے ایسا ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک اور شاہی اور شاہی ترقی کر کے کہتے ہیں وہ بد معاشرلوں کا ارشاد ہے۔ وہ اونچی اونچی کڑی سبیل بائیں کرتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا میں کسی شے میں ڈرتا۔ وہ بار بار بھل آتا تھا۔ یہاں کے سب گروہوں کے ساتھ تھے ہماری کڑی پرتیعتاں مستحق بھی اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ جب رات کا کھانا آیا تو تنہا ہی بیٹھ کر کھانے لگا۔ اس کی طرف اچھا لیا۔ اس میں سسر سے کہے تھے۔ بھلا ایک تھی تو اس کی طرف اچھا لیا۔ اس میں سسر سے کہے تھے۔ بھلا نہ کھانے پر بھیجے ساتھ لایا اور چاروں بعد نہ جانے کیوں میں نے بہت اہتمام سے چیل کا کھانا کھا یا تیار کیا۔ اور پھر روٹیاں اور دال۔

خواب ہو جاتے گی۔ اب گھر کے بستر کا خیال چھوڑ دے۔
 ”کیسا گھر؟“ میں نے آہ بھر کے کہا۔

جو بے صبرت بھی لوٹے تھے ڈرا ہوا دھکا بھی، اما جزی سے بھی پوچھا اور غصے سے بھی لیکن میں نے اپنے بیان میں کوئی تبدیلی نہیں کی، مجھے عدالت میں پیش کیا جانا اور اُن سوالات کی تکرار جو پہلی ہی حوصلہ شکنی کے لئے تھے، ایک ایک نکتے پر بحث ہوئی، تینوں کا فیصلہ گزاروں نے میرے خلاف بیانات دیئے، قاضی اور دو دلائل جنہیں عدالت میں پیش نہیں کی گئیں۔

باقی بریبری انگلیوں کے نشانات تھے اور ملا جو میری کمر پورٹ کے مطابق تھے، سوتیلوں کی ایک بیش قیمت لالچی راج کی ہدایت پر مجھے ایک ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا، جس نے مختلف طریقوں اور لڑنے سے میرے جسم کا معائنہ کیا، پیشانی کے لئے منجمل بھڑ پینک، آجہا اور میری موت بت بندھانا ریت، پھل کے گوشت، بیج سے مجھ اب ایک انسانیت سی ہو گئی تھی۔ اور حرمیدار وکیل مقدمے کو جتنے نئے رنگ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ جب تک مجھے پوری تفصیل سے واقفیت نہ ہو گئی، اسے انھیں سے میں رجوع کروں اور صحیح طرح تصدیق و کفایت میں کر سکوں گا، پیشیاں، سوالات اور بیانات جو تھے بے بین دلائل گورگسٹے، ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق میری جہانی اور ذہنی حالت نارمل تھی لیکن اُس نے میری رپورٹ میں کوئی ایسی بات ضرور بھی تھی جو کوئی دلائل تک بحث کا موضوع نہ رہی، اُس نے کھاتھا کہ مجھے کسی نئی ضد صدمہ پہنچا ہے لیکن میں عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ قریب بڑبشت اور دائمی صلاحیتیں رکھتا ہوں، ڈاکٹر نے میری عمر سو سالان سے زیادہ بتائی تھی، مقررین کے پورٹ ماٹرم کی رپورٹ اُن کے ساتیلوں کے بیانات جن باتوں کا مقدمہ مجھے کوئی تعلق نہیں تھا، اور دلائل و کلیوں کے درمیان میں نوک جھونک ہوتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا مجھے جیسے جیسے کالج کا کوئی تقریری مقابلہ جس میں سب سے اچھی تقریر کرنے والے کو انعام ملنے والا ہے اور موضوع میری ذات ہے۔

دلاق منشا رہتا تھا اس لئے بار بار میری عمر کی طرف توجہ دلائی میرے پاس
کی شرف پر ہمارا کیا بیچ ساسی لی کہ میری آنکھوں میں جھانکنے کی
کوشش کرتے تھے مجھے غائے کائنات پر ایک معلوم شخص مسرور کیا
جو اپنا ویل بھی نہیں کر سکتا تھا اس نے الیسا تجلی باہر آئے پھر اثر اخلا
میں نہیں کہ اگر میں حج جاتا تو اسے ضرور نام دیتا۔ ڈیڑا کیل بھی شروں
میں اس کے ساتھ شامل تھا۔ ویل صفائی کے عدالت میں سب تکبار کیا
لوگ مکنے پھر امراتوں طویل عرصے پہلے کسی ضرورت کا نشانے میں
اپنی یادداشت کر دیا جو اور اب نامی کے عنصر صفحہ لے جھنڈے نقوش
اُس کے ذہن میں رہ گئے ہوں یا اسے اپنے معزز غافلان کی نیک نامی کا
اکی قدر شہید یا اس کو کہ وہ اس شرم ناک ہونے میں ان ہم ناموں اور
شخصیتوں کو رسوائی سے بچانے کے لیے اتنا پر سادہ ہو گیا ہے یقیناً ان
نے جگہ اور دروہا میں ہے۔ پچھلے کے قتل کا اعتراض کر لیا ہے۔
ساتھ ہی اپنی حیثیت بھی ملوکر کر لی ہے۔

میں نے تین تین کیے تھے۔ مجھ کو اس سزا موت کی صورت میں دے دو۔
 مجھ پر رحم کر دو۔ میں نے چار قیل کے حالات سر پر اٹھائی۔ مجھے غامض
 کرنے کے لیے بیچ کئی بار سزا پر تھوڑی مانی پڑی۔ سزا کو ملنے پر
 تھک کے شام کو کھانا ملا۔ ملائی میں اس آخری دن میری حالت غامض
 خواب ہو گئی۔ آسمانوں کی چھری لگ گئی۔ میں نے دوتے ہوئے اس سے
 درخواست کی کہ وہ مجھے چھائی نہ لے لیں اور اصرار کر کے فضول سوال
 میں وقت ضائع نہ کریں،
 سچ نے فیصلے کے لیے چوں دن بعد کے تاریک ڈال دی تب مجھے
 قرار پایا۔ میں نے جیل پہنچتے ہی غرض غریب چل کر سنانی۔ وہ مقدمہ مسکن
 ساری کارروائی کے درمیان مجھے غرض سے بتا اور تب سے کتا رہا تھا اور
 خود چل کا مقدمہ طویل اختیار کر گیا تھا۔ میں اس کے بعد جیل میں آ گیا تھا۔
 مقدمہ کا فیصلہ اس کے فیصلے سے پہلے ہوئے والا تھا۔ مجھ کو اس کی خبر نہیں
 پہنچ رہی تھی۔ میں اس کی خبریں سنوں میں بھی کیا نہیں کر سکتے
 تھے۔ جیل کے انسانی کالی زندگی کے ہزاروں واقعات مجھے سنائے اس
 دوران میں اس نے میرا بیاں بیان کیا تھا۔ مجھے اس کا جان ہوا۔
 اس نے میرے متعلق خود ہی بہت سی باتیں فاش کر لی تھیں۔ اس کا خیال
 تھا کہ میں کسی شریف گمان سے تعلق رکھتا ہوں۔ سنتری بھی اس کی وجہ
 سے میرا خیال رکھتے تھے۔ خود کو دیکھ کر مجھے بھی انہیں پریشان نہیں
 کیا تھا۔ میرا فیصلہ ہونے والا تھا۔ جیل میں سنتریوں کو صبر تھی کہ میرے چہرے
 پر کدو ترشش کی کوئی علامت کیوں نہیں ہے۔ میرا کھانا بھی موت کے
 سزا دے ہی جاتے۔ میں اس کا خیال جواب دیتا۔ موت کیا چیز ہے۔ کون
 شخص ایسا ہے جو پیشے سے زبردستی اس پر عمل کرے۔ مجھے بے اختیار گھسے
 لگا لیتا اور میرے ہاتھوں اور پائیوں کو بے تپا توڑتا ہے۔ جھکا ہے
 لاڈلے اور مجھ سے ہوتا۔ تو نے تو چل کر بھی مار کر دیا۔
 جیل ایک ایک کی گئی۔ اس کا ہوتا۔ میرے لیے اس کے مقدمے کا
 فیصلہ سنایا جانے والا جو میرے نہیں اس سے موت آ رہی ہے۔ آخری دوران
 میں میری حالت غریب ہو گئی۔ شاید فیصلے کیلئے میں جیل کے بار بار
 دکر کئے سے بھر پور رہنے لگا تھا۔ میں کو اس کے اس اور غامض غامض
 پسند لگا فیصلے میں ایک رات کا نام لے رہا تھا۔ میں اور وہ زمین پر لیٹے
 ہوئے تھے کہ جیل کے لاڈلے ایک ایسا بیان ہو سکا کہ میری طرف سے
 کوئی اور موت قبول کرے؟
 یہاں پہلے؟ میں نے جانی سے کہا۔
 "مطلب یہ ہے کہ میرے لئے اگر ایسا ہو جائے تو میری جگہ میں چھائی کے
 تختے پر چلا جائوں اور آواز دو جائے۔"
 "اگر ایسا ممکن بھی ہوتا تو میں نے قبول نہ کرتا۔"
 "پیشہ ناپاکیا فیصلہ ہو گیا۔ کیا ہے کہ وہ مجھے چاہے کہ
 جان کی بازی لگانے کا، مگر کہتا ہے کہ پورا ہی کتا ہو گا۔ اس کے زبان

میں تاثیر ہے جو کہ دیتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ آہستہ سے کہہ مجھے عافیت
 نے جانے کا لین کر ڈونڈہ ڈونڈا کر کے فیصلے سے کئی خوشی میں ہو
 گی۔ اسی لیے میں کیا ہوں کہ تیرے جانتے ہوئے مجھے سزا دے لیں اس سے کیا
 فرق پڑے۔ میں موت سے زیادہ قریب ہوں اس لیے کہ اور تیرے کون گے۔
 "ہرگز نہیں۔ میں نے جس کی کیا کسی خرابی کی یا نہیں کرتے ہو؟"
 "لاڈلے بھلا کیا کر رہا تھا۔ تیرا مقصد اب مجھ میں رہا۔"
 "یہ تو سن چل جائے گا۔ میں نے بے پروائی سے کہا۔ مجھے تو اس بات
 کی خوشی ہے کہ آخر کوئی فیصلہ تو ہوجائے گا۔ اور ہاں اُھر۔"
 "لاڈلے اگر تانوں کے لیے کو کھلیں تو میں نے نہیں تھکے۔
 کر دیتا اور شہر میں میرے لڑے کے بچاں اس طرح اچھڑا کر دیتے کہ پریس کو کیا
 تک بھڑکتی۔"
 "جو میں نہیں سکتی ان پر سہتے کیوں ہو؟"
 اس رات ہم دونوں میں سے کسی کو نیند نہیں آئی۔ رات سے مل چیل
 ہادی ہو گیا تھا۔ صبح ہوئی تو میں دنگلے سا لگا اور میرا دل سے تھا شاہ
 لگا۔ جیل میں مجھے لگتا کہ سراتے ہوئے مجھے رخصت کیا۔ ایک ایک بل ہوتا
 گز رہا تھا۔ کوئی میرے جسم سے فاقہ سمیٹنے سے لگا تھا۔ میں خود کو لگا لگا
 تھا کہ جو ہو گا، اسے موت سے قبل کرنا چاہیے اس میں حالات بڑھانے والی
 گاڑی کی فضا میں شاید بہت سست تھی۔ ہر طرف ایک شرمسار ہوا اور سلام ہوتا
 تھا۔ ایک جسم میں مناسبت تھی ایک مرد اور ان کی فوج کوانی تھی۔ میری پستی
 میں چلا کر کب گاڑی حالات کے اعلیٰ میں بھڑکی اور کب مجھے حج کے کمرے
 میں بچایا گیا۔ میں کو کمرے میں جہاں سامنا تھا۔ سبھیوں نے مجھے سنا اور وہ
 میں زمین پر اپنا قورن قرار رکھنا۔ آخروہ فوجی آگئی جب حج نے اپنا
 فیصلہ سن کر فرار کیا۔ حالات میں خیر مولیٰ ناشی طاری ہوئی۔ سر جھک دم
 بزد تھا لیکن میرا سارا وجود لرز رہا تھا۔ شاید میں ہر اوجھڑا تھا۔ شاید حج میرے
 کی زحمت اور خلقت مارا کا ذکر کر رہا تھا۔ مجھے کہہ کر میں جیل میں تھا۔ مجھ کو
 اس وقت آجیا جب میں نے ایک سنتری نے میرا اور مجھ کو کے مجھ کو کیا۔
 حج کو رہا تھا۔ قورن کی ناشی قورن بیلے وقت میں کے گندے بیکار ہو
 قورن کی رویت اور مجھ کو کمرے میں دیکھتے ہوئے حالات اس کے لیے حورو
 سال قید باشت کی کوئی سزا ہو کر نہ رہی ہے۔ دونوں سزاؤں کا اعلیٰ
 ایک ساتھ ہو گا۔
 میرے جی نے فیصلہ سنایا۔ دیکھ مفاقی دور تھا جو میرے پاں
 آہ۔ اس کے مجھے زور سے بھیج دیا۔ میں ان حالات میں تھا۔ میرے لیے یہ کہ
 سنا تھا، انھیں زندگی باک۔ موت۔ حالات میں بیٹا ہوا جس پر میری طرف
 کیلئے لگائیں سپاہیوں نے انھیں مجھ سے ملے کا موقع مل رہا کہ وہ حالات
 میں ایک انتشار سایہ ہو گیا تھا۔ میرے وکیل سے سپاہیوں کی پوری شناسائی
 معلوم ہوئی تھی۔ وہ مجھ کی گاڑی تک پہنچا لے گا اور ہمارا بار دیتا۔
 میں جیل کو ہمارے تانوں کا زورہ کٹا کر شہر ہو گا۔

"میں خود جیل کے پاں بار بار ہوں۔ میں نے کہا۔
 "اب تمہاری بک بدلی دی جائے گی۔ جیل سے تمہاری لگاتار میں بچے
 گی۔ شاید وہ تم سے کبھی آئے۔"
 ۱۲ سال قید باشت موت کے جانتے زندگی آ آ ہی زندگی میں
 میں ہند زندگی ۱۲ سال میں نے دیکھے ہیں ۱۲ سال کے بعد کیا ہو گا؟ وہ ب
 خوش تھے کہ میں موت سے بچ گیا لیکن مجھے خوشی تھی وہ کبھی بھی کچھ زیادہ
 تھا۔ ۱۲ سال کا جیم کا مذاق زندہ ہو گا۔ اس کا اس کے ساتھ زندہ
 رہوں گا کہ کو راہی اس دنیا میں میں ہے اور کہاں ہے؟ یہ مجھے شاید کبھی
 معلوم نہ ہو سکے۔ کو را کھ میں نے میں چاہتے زندہ ہوں گا۔ موت ایک رت
 کے ٹھکے کے لیے میرا گھر اور کھڑے ہو رہوں۔ مجھے ستانے کے لیے
 زندگی کی سزا دی گئی ہے میرے ساتھ ایک بے رحم ذاتی کیا گیا ہے۔
 "موتے دیکھ لیں بات درست لگی۔ میری جگہ تبدیل کر کے مجھے ہاتھ دین
 کی ہر کم میں منتقل کر دیا گیا۔ جیل کا ہوا بخوبی غامض اور ثابت ہوا۔ کھڑی میں
 مجھے موت جیل ملا تھا۔ کھڑی جیل جانت جانت کے گندہ تھے۔ میری اور میری
 نے ایک ساتھ قید کر لیا۔ ایک اور جان قیدی میرے جسم کے پاؤں طرف کمر
 کے میرا جواز دینے لگا۔ دوسرے قیدی یہ قیاس دیکھتے تھے کہ ہر جتنے تھے
 "کیا فدا ہے؟ میں نے غصے سے کہا۔ جیل میں اس نے کہا کہ مجھ کو
 کہا اور ہر طرف کے میرے جیل پر کھڑے۔ میرے زور سے میرا جھکے کھڑے اور
 پچھلے پچھلے اس کے چہرہ تمام قیدیوں کے سامنے کیا اور میرے کال کا بار
 لیا میرا جھکے غصے سے شرم ہو گیا تھا۔ اس کے ہیٹ میں لکھنا مارنے
 میں مجھے کچھ دیر نہیں گزرتی اور میرا اس ہافز پر ہر گز میرے
 ہی اس کے اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے مجھے ہر ایک ہمارے رسید
 کر دیا میں نے اسے سنبھلے اس کو حق میں نہیں دیا۔ اس نے دوبارہ غصے کی کوشش
 کی۔ میرے گھونسل اور لڑکوں کے لئے تیار مال کر دیا۔ ایک ہر ساقی ہی
 لئے چلنے کے لئے مجھے مڑا مڑا قیدیوں کے لئے رک دیا۔ وہ جس اور
 حیرت سے اپنے سامنے کر دیتے ہوئے کچھ کہتے تھے۔
 "کیا کبھی کہنے سبحان اللہ سبحان اللہ۔ ایک شخص نے گئے گئے رکھے
 میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میرا ہاتھ لے کر کہ مجھے فتح باب تیرا ہے۔
 قیدیوں میں تالیاں بٹنے لگیں۔ میں نوع قیدیوں کیوں نہ کر اٹھا، اسے اٹھا
 کے میرے پاس لایا گیا تھا۔ اس کے کندھے سے خون جاری تھا۔
 "پہلے ہاتھ لائیے صاحب زائدہ اٹھ لائیے۔"
 اس نے بہت قوت اور غصے سے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ جناب کا کام؟
 اور میرے غصے سے شام کی شکل کے ساتھ پوچھا۔
 "ظہر خان۔ میں نے برقی سے جواب دیا۔
 "مناشا اللہ اللہ! ہاتھ رکھتے ہیں جناب نے غلام کو خلعت خان
 عرف نصیب میاں میں ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے کہا۔ کب تک قیام رکھے گا؟
 ۱۲ سال۔ میں نے جواب دیا کہ ہم کو مارا گیا۔

یہ کہنے کے تمام قیدی میرے طرف لکھے ہوئے تھے۔ غریب گئے کہ جو
 میں نصیب گئے دیکھتے دو جرات نصیب میاں نے کہا۔ جناب کا دل؟
 "مردی دیکھتے ہیں نے جواب دیا۔
 "اب کیا شاعر زبات ہے؟ پھر اس نے مجھے خلعت قیدیوں کا
 قدارت کر پاتا۔ ہندو ہونے کے ساتھ سے چھین میاں میں پڑے تھے۔ یہ
 بلایا۔ اس کا لباس بھر کا جنوں کا کتان ہے۔ ہر جن ہے ہم اسے
 ہر جی کہتے ہیں یہ تیار ہے چاقو کے میں ماہر یہ شلی ہے کہ بخت کا
 غریب کا ہے۔ اور اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ غریب ہے جو یہی۔ یہ اس سے یہ
 ترشی کے میں بیکار ہو گشت ہے۔ ایسے ہیترے دہانے لگا لگا ہی
 شرابا ہے۔ یہ لاڈلے کوئی مارا ہے اور یہ جسے جناب نے شکست فاش ہی
 ہے اس کا نام کا کہتے ہے۔ اس پر کہ میں ایک سے ایک سانی گری شخصیت
 موجود ہے۔ اب یہ بارے میں بتائیے۔ جناب کا کیا کہیے ہوا؟
 "قتل۔ میں نے غصہ جواب دیا۔
 "کیا خوب تو جواب کے تیروں سے نظر آتا ہے؟ کس کی ان کی آتی ہے؟
 کچھ تفصیل سنا کے میں بھی لطف اندوز ہونے کا موقع دیکھ گیا۔
 "میری داستان ہے۔ میں نے سرسری انداز میں کہا۔
 "تو پھر سوچتے ہیں۔ منائیے کہ جناب غاصے تھکے ہوئے نظر آتے
 ہیں۔ نصیب میاں کا انداز غصے خیر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ب
 میرا ذوق آٹا ہے۔ میں نصیب میاں کو سنا کر کھڑا تھا۔ دیکھ کہ کیا ہے جو۔
 وہاں کی غامض نصیب میاں نے ان کو سب کا اشارہ کیا۔
 جن شخص کا ہاتھ تھا، اس نے میری کا ہڈی میرے گائے کر دیا۔ میں
 نے نفرت سے سر دیکھ لیا، اس کی ہی منہ لگانا ہو گیا۔ میرے غصے سے
 اپنے لیے اڑوں میں لٹکیاں ڈال کے سر کیٹ لگا لگا اور مجھے پیش کیا۔ میں
 میں کھڑکیں پتیا۔
 پہلے ہی مجھ سے مجھے اذہ ہو گیا تھا کہ میاں اور عیثیٰ نے نگلی
 ہو کر ہی ہو گئی شکل و شبابت سے ان کی کوئی مقلد آدمی نظر میں آ رہا
 تھا۔ ایک ایک جیسا اور بدعاش معلوم ہوتا تھا۔ میں ان کے ساتھ تھا نصیب
 میاں ابھی کچھ خلعت کھڑا تھا، اس کا رنگ گندہ میں تھا اور انھیں جڑی
 بڑی تھیں۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہو گئی، بہت جبک کے پاس
 اس کا تھیں غصے میں نے اٹھا، ان کا کچھ میں چھین سال ہو گئی۔ رنگ لڑا
 اور جھڑپ تھا لیکن اس کا دھیری طرح تھا۔ جاتیں تھا جیسے ہر چاقو کے
 رد و فتح نشانات ہر جھڑپ اس کی سر نصیب میں چیل ہوئی تھیں۔ جھڑپ سے
 بالوں کی وجہ سے اس کا جو بہت ناک ہو گیا تھا۔ یہ میں مجھے ان کی کنگھڑ
 سے تپ چلا کاتے کوڑی نوں کو دینا ان کے نزدیک ہونے میں لگ رہے
 کی بات تھی خود کہتے کا کچھ تھا کہ جب وہ کسی سے مقابلہ کر باجو تو کوڑی دینا
 میں دھڑکی جانت جانت دے کہ سب حیرت زدہ تھے کہ میں کاتے پر غالب
 کیسے آگیا وہ میں جانتے تھے کہ کاتے میں وہ غصہ اور اشتعال میں تھا جو اس
 45

نے مجھے لایا تھا رگڑیں تھیل کے ساتھ چندوں کو گڑا چکا ہوتا تھا مجھے اس پر ہاتھ اٹھانے کی جرات بھی نہ ہوتی۔

ایک دن میں وہ مجھ سے خالص ٹائٹس ہو گئے مالا مال میں نے ان سے اپنے سلسلے میں بہت کام کیا تھا۔ میں رات بھر اپنی سوجن میں گم رہا۔ دوسرے دن صبح تمام قیدی میلان میں لاتے گئے اور انھیں مختلف کالوں پر لگا دیا گیا۔ میرے لیے ہر رات تھی۔ میلان میں دوسرے بیکوں کے قیدیوں سے میری ملاقات ہوتی۔ وہ ایک قیدیوں نے مجھ سے گڑا مٹا کیا اور کھٹک کی کوشش کی تو میں نے کانٹے والا تجربہ کرنا محال نظر سے سڑک کے طور پر بیٹوں سے میری کھال اچھڑی لیکن ایک نے مجھے اتنی تک نہیں کی۔

صرف دو دن میں ہر قسم پر مشہور ہو چکا تھا کہ میں ہی وہ لاکھاپل جس نے کانٹے کو گڑا یا سداویل اٹھتے تین قتل کر کے مہل آیا ہوں ان میں مختلف چھوٹی بڑی سزاؤں کے قیدی تھے مجھے سب سے پہلے زمین کھودنے کے کام پر لگایا گیا صبح سے سہ پہر تک میں قیدی ایک گیسے کو دس ڈیالیاں بھرتا اور دوسری طرف ڈال دیتا۔ درجی غفلت ہوتی تو سستی کا پیدائش ہو کر پڑتا۔ دو دن میں میرے ہاتھ چیل گئے۔ میں نے کچھ کے اپنے ہاتھ دوسرے قیدیوں سے چھپا ہوا تھا کہ وہ میرا مذاق اڑائیں گے پوچھا تھا پانی بھرے اور مٹی کھودنے سے میرے جسم میں درد ہونے لگا اور سر ہلے کر ادا ہو رہی تھوں میں گھوڑا تار لاکھ وہ مجھے ایک نفور دیکھ لیتی کہ برا کیا حال ہو گیا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے مجھے ایک ہوشیار ہو گیا تھا۔

تیسرے دن صبح میں صبح ایک مستی نے بیک میں مجھے تھیل کا پیغام سنایا۔ تھیل نے ہلکا کر کے میرا تھا کہ لاڈلے کا خیال رکھنا۔

”کون لاڈلہ ہے؟“ نصیب میاں نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ بیلا لاکھو ہے“ مستی نے میری طرف اشارہ کیا۔

کانٹے پہلے بارش میں میرے پاس آیا اور تیری سے پوچھنے لگا۔

”تم سداویل کرنا چاہتے ہو؟“

”ہاں“ میں نے بے نیازی سے کہا۔

”میں نے مجھے اٹھا کے سینے سے لٹایا۔ بیکوں میں بنایا تھا یا ردا

مستاد کا آدمی نے مجھ کو بھونچ کر دیکھا۔ ”ایک کون ایک چڑا۔ استاد

نہاں کے لیے بیلا میرا ہے تو کچھ بیکری بھیجا ہوگا“

”وہ لاڈلے میاں، تم نے بھی کیا مختلف کیا“ نصیب میاں نے

بول کر کہا۔ ”جس عیانی کا آدمی آئے اور میں خبر بھی نہ ہو سکتا تھا۔ عیانی

جب سے مجھ میں جب کی رشتہ کی سستی بھی بند آئے

تھے۔ ان کی کیا بات ہے جب آئے تھے میں نے جیل کے دروازے پر جا کر

”سائے استاد اور تیرے کچھ گھر سے بھی پھنس گئے ہیں؟“ بیلا کی آواز

میں اس کے ہاں طرح سنائی تھی۔

”ہاں مگر میں یقین ہے کہ وہ جھوٹ جانتے گے کہ کوئی دیکھ کر

کہتا ہے۔ میں نے دے دیے سے کہا ان کا فیصلہ اس نے الٹا ہے۔“

”پھر وہ ادھر سے آئے گا؟“ نصیب میاں نے کہا۔

پہلے ہی دو دروازوں سے میں تمام قیدیوں کو مار دیا۔

چکا تھا اب تھیل کے حکم کے تحت اور اڑا دیا گیا۔ وہ سب میرے کام میں ہاتھ

بٹانے لگے۔ میں ایک مہینے کی کٹیل رت میں اس سے مائل کامی ہو گیا۔

صبح آٹھ بجے پر گھر جانا شروع کر دیا۔ میں رات بھر ۱۲ بجے تھیل بوری

اور جب کانٹے کے اتنا شریک لگا لگا اور نصیب میاں کے چہرے پر

شعر سننا۔ ہر قیدی کے ساتھ ایک عجیب انسان داری تھی نصیب میاں کی

زبان میں کھتر کے چھوٹے ٹوٹے تھے۔ پھر ایک سین وکیل طراقت

پر ماسک ہو گئے اور ساری دولت ٹھیکے اور اچھے کن کے ساری عورت کے

کے کام کا طراقت کرتے تھے۔ وہ طراقت کھتر میں ان سے محبت کا عذر کرتی

تھی مگر ایک آتش کے ساتھ کھتر کے عجیب عجیب میاں اپنا سب کچھ

اس پر لٹا چکے تھے کھتر میں اسے مار کے اس میں پین ملا۔ وہیل نے

کوشش کر کے کہ ان کی چاشنی کی سزا قید میں تبدیل کر دے۔ یہ واقعہ

وقت نصیب میاں کی آواز بھرنے کی تھی وہ وقتوں میں کھتر پہنچ گئے

تھے شری اپنی پرسوں آواز میں گھوڑا کانٹے میں بیل کی دنیا میں دیکھ لیا۔

جب بھی نصیب میاں ماضی میں جاتے شری ہی کرتا تھا اور وہ دلی آگے

پھر مٹنے بولے گئے تھے۔

میں چلانا مار کھانا، پوچھا ڈھونڈا مانی بھڑا، چادریں اور مہل

اور کھادی کے دوسرے کپڑے بنا کر اکیلے کھانے میں مشقت کرانے کے

کئی طریقے ایجاد کر گئے تھے۔ اس چادریں میں صرف دوسرے تھے

اور سر دھجی وہ تھے چادریں کے کپڑے ملے ہوئے تھے۔ بلکہ گائے

مختبہ لگ مہل میں جمع تھے کوئی بیٹہ بیٹا سنا تھا کوئی بیٹہ ہوتا تھا

تھا۔ کوئی نہ ان سے کہہ سکتا تھا۔ گھر سے منکر تھا کوئی باہر کی دنیا کی یاد

میں گھر رہتا تھا۔ سب کے چہرے پر غصے کے تھے انھیں ہر درد جھنسی

مانی تھیں، ہر طرف گندگی تھی، پتھر، گھٹیل، پتھر، مانی بھڑا، بستر بیل

کی کالیاں، قیدیوں کی باسی لڑائیاں بات بات پر پھرتا تھا۔ سبھی دال کوئی

کبھی چاول اور تلی ڈال دیتے تھے۔ وہ داری کی کا شور یہ، بدلو، ہر صحت ایک

سلی ہوئی کوبیس، ٹھنک، ایک مہینے میں میں کے حوالے سے پوری طرح

واقف ہونے کے باوجود مجھے بہت دھت ہونے لگی۔ ایسی دھت کوئی

سے بات کرنے کو بھی نہیں جانتا تھا میں جب یہ سچا کر مجھے ۱۲ سال

میں اس چادریں میں زندگی بسر کرتی ہوئی اور زندگی میں کوئی تیری

میں آئے کی تو میرے اعصاب جواب دینے لگتے تھے میری یہ حالت دیکھ

کے کانٹے، جگہ، بیلا، شری نصیب میاں اور دوسرے لگ میرے گرو

اٹھے ہوئے اور غش مذاق کر کے کہ پوچھتے کون یا دار ہے لاڈلے؟

کچھ میں بھی کرتا یا ردا

ایسی ہی چادریں میں لاڈلے کا کھانا تھا میں آزاد قیدی رہتے تھے

نصیب میاں تھی، شری تھی، ایک کی تھی، ایک کی تھی، ایک کی تھی، ایک کی تھی

لاڈلے کے جی میں کیا آتی کو ایک رات اس نے سب کو اس چادریں

میں دفن کر دیا اور خود ہیک کے لٹا دیا۔ وہ سب اپنی کھالیں لٹاتے تھے۔

میں نے انھیں چھین لیا تھا مجھے خوف تھا کہ میرے سر پر کچھ نہیں ہے

گو میں تو خالی ہوں گا۔ جیسے کہ رو کر میرے سینے سے کوئی چرا کے

ماتے گا۔ میں ان سے کہتا تھا کہ جیل کی چادریں میں انھیں جڑے ہیں مگر

یہ تو ایک دھماکا ہے۔ اس کی جان تو ہر کسی جھٹک رہی ہے۔ اس کی طرح

تو کر کو کڑا کر رہی ہے کال کر کال کر کال کر کال کر کال کر کال کر کال کر کال

صرف اتنا معلوم ہو چکا کہ وہ کہاں ہے؟ کس مال میں ہے؟ ہورنیز ماضی

انہی رہے گی۔

ڈیڑھ مہینے بعد جیل کے پڑکوں میں دوبارہ آنا لگا۔ معلوم ہوا کہ

تھیل ایک ایک اور بار چار سال کے لیے تیار کے لیے آئے ہیں۔ اس نے

آپنے لیے مجھے پوچھا اور مجھے کچھ کے حیرت زدہ کر دیا۔ لاڈلے آئے تھے

پھر انھوں نے مجھ سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ڈیڑھ مہینے میں مجھے کیا ہو گیا؟“

تیرا رنگ سب کون مہینے میں لگا؟“ پھر وہ قیدیوں سے غصے میں غلاب

ہوا۔ ”کیا تمھیں میرا نہیں ملا تھا حکم کے جزو؟“ اس کا کال کر دیا ہے

کیا تمھیں مستی نے نہیں بنایا تھا کہ میرا لاڈلہ ہے۔“

تھیل کی گڑ سے سب کا کہنے لگے نصیب میاں سب کے

غناہ کے حقیقت سے آگے بڑھے اور نیا زندگی سے بڑے تھیل

عیانی آپ کا حکم ملا تھا۔ خدا جانتا ہے لاڈلے کا پورا خیال رکھا۔ تم نے

اسے ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کی اسے کیا نیاں سنائی اس کے کام

میں ہاتھ لایا۔ شری نے اسے روز گانا سنا اور کچھ روزہ روٹا دیا اور

خاموش ہوتا چلا گیا۔ اس نے ہم سے بات کرتا تھا بیکری کے ہر وقت

کچھ ہوتا رہتا تھا۔ کھانا پکارتے، دھنسی سے کھاتے، دھنسی کی سناتے

تھیل عیانی! اچھا! حکم ہوا کہ سب کے جان سنا کر اس کی تعمیل کر دیں۔“

”تم نے اسے کبھی نہیں دیکھا؟“ پھر وہ دھنسی سے کھاتے، دھنسی کی سناتے

تھے؟“ اس کا رنگ میں کچھ تھا کہ تھیل کا چہرہ میں دیکھا تھا جو تم سب

حکم نادر سے الگ نظر آتا تھا۔“ تھیل گرتے گرتے میرے لاڈلے

کو لیا۔ کیا بنا دیا؟“

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب نے گرو میں جھلکیں کیوں کھیل

سخت ملیں ہیں۔ تمہارا اس نے سنا ہے۔ مجھے اپنے پاس لایا اور اپنے پہلو

میں بٹھا کے کہنے لگا۔ ”لاڈلہ عیانی! آؤ۔“ اس نے اس کے ہر نگاہ میں

تو پہلے ہی آجا، مجھے معلوم تھا کہ کچھ بیکری میں ہوگی۔ اب تو کھانا

پھر دھنسی میں جیل دوسرے مہینے میں تھیل ہو چکا۔ تھیل کی موجودگی میں

روا دوسرے ہوتا ہے شری نے، اب تھیل نے، تھیل نے، تھیل نے، تھیل کو

تیرے اسو بھی تو تھیل سے نہیں لگے تھے بلکہ جس دورے...

میں نے ہیکل تمام اس کے حوالے کی تعمیل کرنے کی کوشش کی تھیل

کا چہرہ بنا دیا وہاں موجود سب لوگ نے عیانی بننے لگے تھیل

بھی بننے لگا۔ تھیل کے لیے بدھ ہے جیل کا نظم و نسق تبدیل ہو گیا۔

ہر چیز میں باتا مدد آئی۔ لائی ہوئے کے سر سے تھیل کے گرو کے

آوی کرٹ نکالیا اور کھانے کی دوسری چیز اس کے پیچھے تھیل کے

اعضائے سارے قیدیوں میں تقسیم کر کے پھر خود کھانا تھا۔ اب اس پر

ہم کا کم تھا۔ ہستی بھی تھیل کی وجہ سے درکار کرتے تھے لیکن چار

مہینے کی کیا سی ہے؟ اس کے لیے کام پر جانا شروع کر دیا۔ اس میں

قیدیوں کو یہ تہ لگ گیا تھا کہ اس کی تھیل بہت کھانا پھر جانا تھا۔ اس نے

وہ اپنے خطا نصیب میاں اور دوسرے معمولی پڑھے لکھے لوگوں سے بھرتے

تھے۔ اب اس کا کام میں کر کے تھیل نے پہلی بار تو قری اور لٹا دیا

کے بہت سے آواز لگے کھانے تھے۔ وہ کھانا تھا۔ وہ آدمی مڑا رہے۔

جوانیا بھائیوں کو سکا۔ نہ دھنسی کے لیے کہ ثابت کرنا چاہتا ہے

لاڈلے؟ تھیل کے کم سے رہتی نا ملن تھی۔ اس کے گرو کے گرو اور

وہ لوگ بھی جو اس کے گرو سے تعلق نہیں رکھتے تھے جیل میں شاگرد کی طرح

اس کی اطاعت کرتے تھے اسے اس وقت تھے۔ ان لوگوں نے بھی

مجھے فزول حیرت سے اس سنا کر شروع کرنا تھا۔

تھیل مجھے اپنے قریب ہی رکھتا تھا۔ اس سے میری قربت کے

باعث میں میں شخص میری بڑی محنت کرتا تھا محنت کرتا تھا باغی

تھا، کچھ بھی سوچ کر تھیل کے لیے پہلے آگے کے بعد اس کے بیلوں

میں زمین و سامان کا فرق ہو گیا تھا۔ دھنسی میں چھ مہینے کے بعد

میں راتوں کو اپنا کپڑے میں جوتا ہوا اور اٹھ کر کے بیکری میں

تو دوسرے قیدی تھیل کو میرا حال سناتے اور وہ میری کون کون

اور کون کون لاڈلے! لیکن لگ جائے گا، رنگ لگ جائے گا، اتنا مت

دیکھو مجھے میری جان! مجھے بتا کہ کچھ کیا ہے؟ یہ تم سے

اپنے رب کی، جس سات تہہ خاؤں سے تیرے لیے خوش

لائے گا۔“ تھیل اس کی قسم کے وعدے کرتا رہتا تھا۔ سب معلوم تھا کہ وہ ایک

چھوٹی سی لوکی کو کر کے خبر نہیں لاسکتا۔ میرا اب بالکل نہیں

دن اچھے گزرتے تھے پھر نہ لگے کیا ہو جاتا تھا، دروازوں سے پھر

کوئی جانتا تھا۔ میں کھانا کھانے والوں میں کوئی جانتا تھا۔ میں

راتوں کو جاگتا رہتا تھا، بہت سخت محنت کرتا تھا، دھنسی میں اپنے

کوئی جانتا تھا۔ تھیل کے مجھے سمجھا، وہ استاد ڈھنسی، کھانا کالیاں

پیدا کرنا میرے کال پر طاعت کرنا چاہیے۔ مجھے لگتا تھا۔ ہر طرف

ایک اندھا سناٹا تھا۔ ایک دن پورا دھنسی میں لگے آیا تو اس

نے مجھ سے پوچھا، مجھے چیر کی ضرورت تو نہیں ہے؟ میں نے اس سے چند

لگا، قیدی آتے ہیں اور اپنے جرم کا بڑا ادا کر کے رہیں جاتے ہیں پھر سال
 میں جیل کے اندر میں نے رنگ رنگ کے چہرے دیکھے جیل میں بھی رہے
 جیتے ہیں پھر جانا قیدی، بڑا قیدی، مگر در قیدی، طاقت در قیدی کلائی
 گورا قیدی، جیل اور کس کے آدمیوں نے مجھے جیل میں رہنے کا سلیقہ سکھایا۔
 جیل کے بار بھی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور جیل کے اندر میں کتا بول
 نیا رہا، میں نے اس کے پڑھا اور ان سے زیادہ غصہ سے پڑھا کہ میں آتی غریب
 مدت کے بعد جیل میں خود کو نہ چھوڑا، میری کورا تھی، میں چور سال میں
 کوئی ایسا لکھ نہیں گزرا جب وہ مجھ سے دور رہی جو میں جیل میں قید تھا وہ
 میرے سینے میں قیدی تھی۔

میں ایک سال کے دوسرے سال کی تیاری کر رہا تھا کہ جیل میں کلائی قیدی
 وارد ہوا، وہ چور میں تین سال کا ایک توندہ شخص تھا۔ اس کے چہرے
 سے شرافت چھٹی تھی۔ وہ دیکھنی سے بات کرتا تھا، کسی کی مستحقا نہیں مانوش
 اور اس کا رہنا تھا، اپنے آپ کو چور حال قادی اس کا تھی بات مجھے
 اس کے قریب سے گئی تین وہ میری طرف انار غرا زور نہ کر سکا، اس نے اپنی
 کیا، جیل میں میرے لیے کتب پر کے سارے گروہ چلتے ہیں وقت کی دھن
 ان پر چم جاتی ہے، جیل نے اپنے شرم کا اظہار کر دیا، اس نے اسے نگاہ کر دیا۔
 میں نے اسے میری تین کھانا تھا، لکڑی وہ مجھ سے بہت عزیز تھا، نوجوان شیل
 میری باتوں میں آگیا۔ وہ باری کا زہر جیت تھا اور اپنے حق خاندان کا واحد
 کھیل، وہ روز کی تلاش میں کھینچے گیا تھا کہ ایک دن اس کی بڑی بڑی
 ہو گئی، میں نے اس کی بڑی کھینچ کر اسے کھیل کے ایک سارے دوست نے صو کا دیا
 تھا۔ وہ غیرت مند لڑکی جس نے اپنا سب کچھ اپنے حق کے عزیز دوست
 کے حوالے کر دیا تھا، اس کے دل میں کتا ب نہ لاسی، سر میں نے اپنے دوست
 کو کھڑ کر دیا، میں نے اس کے وقت کی تلاش میں روز میں ہاں دو چہرے ہمارے لڑاؤ
 ایک دن کے متعلق میں سوچا، اگر وہ نہیں ختم کر کے وقت کو کھڑ کرنا کوئی بات
 میں تھی۔ کر کے اسے چھانی سے بچایا، مگر اس نے اسے بچا سکا، اب
 کھینچے میں اس کا خاندان کا خاتمہ کر رہا تھا اور وہ جیل میں تھا
 میں نے جیل کے کس کس کے خاندان کے لیے گڑھے کاہن کا انتقام
 کر دیا۔ سر میں نے اسے بچ گورا میں کیا، ایک بیک میری کس کی لاشیں
 پائی تھیں۔ وہ شہادت میں مر گیا تھا، اس اعتبار سے مجھ سے زیادہ غیرت مند
 ثابت ہوا، اس نے مجھے شہادت دے دی مجھے موت سے بچا لیا۔

ساتویں سال جب میں فرسٹ ڈیوٹیل میں ملا، اسے کا امتحان ہاں
 کر رہا تھا، ڈیوٹیل میں مجھے جیل سے طلب کیا اور آنا دی کا مشورہ کیا، مجھے
 یقین نہیں آیا، تو میں جیل میں اس سال کے انتقام میں شہر و روز داکے میری
 سزا مل کر جیل میں آئی تھی، مگر اس قدر جلدی اور اچانک یہ پڑا اور ابانے لگا،
 میں اس کا انتقام بھی نہیں کر سکتا تھا، میں نے اپنے کپتے سے بے باقوں سے
 لے کر پھا اور انھوں میں اسے لگا، میں نے بیکلر کے چہرے پر کسک پٹ

تھی، وہ میرے کان سے پڑا تو رکھ کے مجھے نصیحتیں کر رہا تھا، مجھے اس کی کوئی
 بات یاد نہیں۔ اس خبر سے میرے اعصاب جواب دے گئے۔ رگ پہے میں
 پیسے برف ٹھل گئی۔

میں نے بیک میں اس کے کو میں بتایا کہ اب میں ان سے بچنے لگے
 والا ہوں، پھر عقل کے مگر در پیچ قادی اور وہ ایک جیل کی شکل میں تھا کہ
 پر پیرا استقلال کرتا، میں ساری رات بیک میں ہوتا رہا اور میں نے اپنے
 جیل کے دفتر میں حاضر ہو گیا، اس نے میری غلہ اور شہرانی کرنا، با جا مراد
 سات سال پر لے کر لٹ، جو میری جیب سے مراد ہوتے تھے، وہاں کر دے
 اور میری ملاجی میرے پر کر دی۔ میں نے جیل کے سامنے یہ اختیار کر کے
 کسائی انھوں سے نکالایا۔ اب میں باکس میرے ہر پر میں اسکا تھا۔
 اس سخت مزاج جیل نے میری جھوٹی عکس کر لی اور اس کا تار با مار مجھے
 نے یہ پھر کہ میری کھینچ تھی، میری ناک بچڑی اور کسے اپنے دفتر کے
 دروازے پر پھرت کر کے کیا، میں نے تھا اچا قادی وہاں میں کسے اس
 لیے کہ اب میں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس نے مسک کر کہا۔

”جناب... مجھ سے کچھ بات نہ سکا۔“

”جاؤ، میں دوبارہ تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔“

”جناب... میں نے یہ بتائی ہے اس کے ہاتھ چلے۔“

مستروں نے مجھے جیل کے خال دروازے تک بچا دیا۔
 کچھ دیو بد میں جیل کے آہنی چھانکے کے بار پر تھا۔

ابری دنیا ہی دل ہوئی تھی ہاں دوسری تھی، نہ
 برکس تین زبان چھری دلدار میں جیس اور دوسرے کا ساخن چھری سیاہ
 سر میں، بدو بالا ماتر میں جھانکے جیسے ہرے لگا دکھائیں، شے کا لہان یہ
 تو عجیب منظر تھا، میرے قدم زمین پر نہیں پڑے تھے۔ ہاتھ پاؤں کا پتہ
 لگے۔ یہ خواب تھا، حقیقت؟ جو کچھ مجھے ہو گیا وہ خواب تھا، جو سامنے
 ہو رہا ہے یہ خواب ہے؟ مجھ کو میں نہیں آیا۔ مجھے خوف عکس ہو ابی
 مجھے بند سے بیدار کر دے اور میں دوبارہ سامنے کے چھ دیو جانوں میں
 نے تیر قفس سے آگے بڑھنا شروع کر دیا، میں جیل میں جانے کا اتنا کہ نہیں تھا
 جتنا کہ اس نے کی خوشی ہو رہی تھی۔ دل کی دھڑکن خال میں آ کر تھی۔
 مگر یہ کھینچے میں تھا اور میں جیل سے آزاد ہو گیا تھا، سات سال بعد
 میں دوبارہ کھلے اس کے بچے تھا، اب میں جہاں اور دھرجا تھا، خوب
 جاک سکتا تھا، آجی کا زمین کا گناہ سکتا تھا، میں وہ کالوں پر بیک کھڑا ہوا
 کے منت ہی چڑوں کا کھانا کر سکتا تھا، یہاں غیبوں پر چل جھرتے تھے
 ہر جھ سے کالوں کی کست خوش برآ رہی تھی چلنے کے یا مایاں کوکڑی ہی
 خن میں نے اپنے سات، بھوں میں موت ایک با بیکر کے گھر کی عزتیں
 دیکھی تھیں، مگر اس کی ماں اور بھتیجی بہن غریب میان تو زمین میں تھیں
 تو آری خنیں رنگ بدستہ کپڑوں میں بکوس، سموم پڑا تھا، جیسے دنیا بہت

ترقی کر گئی ہے ہر تیرے دل ہوئی تھی۔ میں حیران حیران لفظوں سے میں کے
 چھانک کے باہر کی دنیا کے منور ہو کر دیکھنا، میں نے خود کو کراہی کر
 کیا، مالا کر میں نے مجھ پر تھیں، وہی میں سب اپنے اپنے خیالوں میں
 تھے۔ کوئی آواز تھا، کوئی جادو تھا، بغیر کرم دی تھی جیسے تھ کے بعد دنیا
 ختم ہو جائے گی، ہر گناہ اپنے آج میں نکالیا جلتے غاصی خود اس کے بعد
 مجھے کچھ چشما بنا اور سب چلے کر کا خیال آیا، میں سے آزادی کوئی
 میں نے خیال خود لکھ کے مجھے پھر کچھ لکھا تھا، مایا میں نے تنہا ایک غیبت
 سی عکس ہوئی تھی کسی چیز کی تھی جیسے میں جیل میں، کچھ بھل آیا
 ہون میں نے، جیل کو اپنی روانی کی اطلاع جان بوجھ کر نہیں دی تھی۔ ورنہ
 دروازے پر میرے استقلال کے لیے ایک میز موجود ہوتی، جیل خوشی سے ملوان
 بھجوا، اندھے جیل کی شکل میں اپنے اڈے کے کھاتا۔ اب اس نہیں
 جیسے جانے والوں کی نہیں تھی، سات سال میں دروازے کے قیدی جیل میں
 تھے اور میں چلے گئے تھے، نصیب میں کانتہ شہری جو میری بندھو میں
 لیا تھا اور بہت سے دست بہاں ساتی جیل لاکھرا بھی تھا اور شیل کا کتا
 پنا نصیب شان میں بھی رہتا تھا، جیسے میں صوم، ہر گناہ لکھا میں سے
 رہا ہوا ہے وہ دو دن ہوا آما۔

دی خبر گمان محاور میں اور وہی لگتے تھے، لیکن میں وہی نہیں تھا۔
 میرے چہرے پر اب جھری ڈاؤنی تھی اور میرا قہ پہلے سے لمبا ہو گیا تھا، میر
 نشان پہلے سے نئے تھے، سینہ پر لٹا تھا اور انھیں مضبوط تھیں، مجھے بہت سے
 آدمیوں میں پیو سے بچا جا سکتا تھا، وہ تھی خارجی حالت، اندھے ہر
 حال وہی قادی ہے، پھر ڈاؤنی خوف اور کرا، ایسا تھا جیسے موت
 ایک لٹ گوری ہے اور موت ایک جیسا کہ رات میں، میرے جسم کا میل
 لگا ہے اور کرا رات ہی مجھے چھا ہوئی ہے۔ یہ ایک میل سیاہ رات
 تھی، میں نے جیل اور اس کے ساتھیوں کو اس لیے اطلاع نہیں دی تھی کہ
 وہ آجائیں گے، تیرے کر کو دھو شے کا وقت نہیں مل سکے گا، جب تک
 اس کے پاس میں کوئی غریب نہ جاتی، اس وقت میں مجھے چھپنے کیے نصیب
 ہو سکتا تھا، جیل سے رحمت دینے وقت جیل سے وہ دھڑے میری برباں
 ڈال دیے تھے، سات سال پہلے میری جیب سے برآمد کیے گئے تھے، میں نے
 انھیں گناہ نہیں تھا، وہ ڈھواں سے مرے گم کیا ہوں گے۔ ملا میں نے گے جن
 کر کے اندھ چھائی تھی۔

میں کھینچے تالی سے ہاتھ اٹھا کے ایک خال کھڑا کرنا آزادی خلا
 فاصلے کرنے کے بعد کٹا اس بازائے گونے لگا، جہاں سے میں کرا
 کے ساتھ ہی لگا رہا تھا، مجھے کٹنوں، بھوں کے ہونڈی نظر آئے ہیں
 ہم دونوں نے وقت کا وقت بسر کیا تھا، میرا اندھے سے بچو لیا
 اس وقت کا ایک ایک لمحہ اپنے گناہوں کے سامنے چلے گئے تھے،
 جس کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، میں ہوا میں پر تھی مندی

میں نے کھینچے تالی سے ہاتھ اٹھا کے ایک خال کھڑا کرنا آزادی خلا
 فاصلے کرنے کے بعد کٹا اس بازائے گونے لگا، جہاں سے میں کرا
 کے ساتھ ہی لگا رہا تھا، مجھے کٹنوں، بھوں کے ہونڈی نظر آئے ہیں
 ہم دونوں نے وقت کا وقت بسر کیا تھا، میرا اندھے سے بچو لیا
 اس وقت کا ایک ایک لمحہ اپنے گناہوں کے سامنے چلے گئے تھے،
 جس کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، میں ہوا میں پر تھی مندی

کئی تھی، میں حیران حیران لفظوں سے میں کے
 کھانک کے گئے گی۔ کوئی پناہ آزادی نظر نہیں آ رہا تھا، میں نے لڑنے باتوں کے
 دن کی تھ جانی بڑے بیٹھے تھے، ایک اور میرے نفس میں چھانکے ہوئے
 دیکھ کے اندر ملایا۔ تو لڑنے؟ اس نے سپاٹ آواز میں کہا، مجھے کچھ
 جھک ہوئی ہیں سوچنے لگا، اس طرح پھوٹوں، وہ شخص جس کے سب کچھ
 جھٹلایا اس کے گناہ لگا۔ تو لڑنے لگا، لگا، لگا۔

”جناب میں ایک صاحب کے پاس میں پھنچا جاتا ہوں۔“

”یہ کچھ نہ لڑو، کون کا دفتر نہیں ہے، دروازے؟ اس نے کہا۔“

”اگر دوسرے کسی صاحب کے پاس میں پھنچا ہے تو لڑنے میں حاضر ہوں۔“

”جناب! میں کوئی غیبت نہیں کے پاس میں پھنچا جاتا ہوں۔ میں نے

”گھر لگا، وہ مراد آپ سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”مولوی محمد شفیع؟ اس نے کچھ سمجھتے تھے، جواب دیا، میں اس نام

”کے کسی صاحب سے واقف نہیں ہوں۔“

”مجھ پہل طاری ہو گیا۔ وہ میں چھلے تھے، میں نے تفریق سے
 کہا، وہ کر دیا ہے کچھ میں بیان پھلے آتے تھے، آپ فیض خود دیتے ہیں
 ”بھائی! میں نے عرض کیا، مگر اس نام کے کسی شخص سے واقف
 نہیں ہوں، میں بیان ملاؤ کر کے تھے، پانچ سال گئے ہیں اس نے
 کسی قدر نامانی سے جواب دیا۔

”پانچ سال ہیں نے میرے بڑا، اور پانچ سال میں اس نام کے
 کوئی مولوی صاحب ادھر نہیں آئے؟“

”میں جی نہیں دے دتی ہے، ہر۔ جہاں کہ میری یادداشت لگا کر پتہ
 تھا نہیں اور میری یادداشت ایسی کر دیتی نہیں ہے۔“

”اس سچے ہے۔ میں نے شکستہ لہجے میں کہا، کوئی سات سال پہلے وہ
 یہاں مقرر آئے تھے، آپ دوسرے کسی بزرگ سے پوچھیے۔“

”ہاں ممکن ہے اب اس لیے بیٹا ہوتے سچے کے باقی تو بیکل نہیں
 سکتا۔“ وہ تھی سے بلا۔ فرق کچھ میں آپ کوئی رنگ سے ملایا میں
 تو آپ کو کیا حاصل ہوگا، بغیر پانچ سال سے یہاں نہیں آیا اس کے بارے
 میں آپ کو جان کر کیا گیا، اگر وہ آپ کو کیا بتا پائیں گے۔“

”مجھے ان کے پاس میں کچھ ضروری باتیں صوم کرنی ہیں، میں نے
 خوشامدنا خاں میں کہا۔ شاید کوئی بات صوم ہو جائے، براہ مہربانی میری
 کیجیے، میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔“

”اس نے مرحمت میں رکھ دیا اور آٹا ہٹ سے بلا۔ آئیے جیسے
 ساتھ لکھیں آپ کا کام کیا ہے؟“

میں نے اپنا نام بیان کیا، تیار اپنے آنے کا فرض فدایت بتاتے ہوئے
 جو بھوٹ بلا۔ وہ مجھے ہنسنے لگے، ایک بزرگ کے پاس سے لگا، جنگ لک
 عادت کر دوسرے نے میں صوم تھے، میں ان مولوی صاحب کو بیان کیا۔

وہیری ملتی تو متوجہ نہ رہا کہ وہ بے بس تھی۔ تو یہاں کہیں نظر آ رہا ہے؟ تو
کہا: "آؤ برا! آؤ! استاد کو عرض کریں گی؟"
"میں آج ہی آؤ ہوں۔ براہ کرم اس کے پاس نہیں گیا۔"
"کہیں؟" اس کی بھولی بھول گئی۔
تھے پہلے ایک اور جگہ جاتا تھا۔ میں جلد ہی کہیں کے استاد سے
مل گیا۔ "میں نے عمری انڈیا میں کیا۔"
"نہیں! لاڈلے! اگر استاد کو عرض کر دیتی تو اس سے منہ پر کیا گیا ہے تو
وہ بہت لاف زبانی ہو گا، آج ایک بار اسے اس کی شکل دکھاؤ۔ اسے میں اپنے لئے
اس پر توڑنے جا رہا ہوں۔" میں نے اس سے کہہ کر بھاگتا ہوا کہہ دیا۔
"نہیں۔ میں اس کی نہیں مانگتا۔ میں نے اس کا ذکر ہاؤس پر کرنے کیا۔"
"بہت بڑی بات ہے لاڈلے! اس کے لئے مجھے انا چاہا کرتے تھے۔"
تو میں میں بہت پرہیز کا تھا ہے۔ پھر میں ایسی لادائی گی بات کر رہا ہے۔"
"میں بہت غصہ کیا اس کے لئے! اس لیے میں جھٹل جاتی کے
پاس نہیں گیا کہ وہ میری جلدی نہیں دے دے گی۔"
"لاڈلے! سلامات سال تک کا گزارا کرنا میں سے آؤ تو میری ہی تھی
اتنی جلدی ہو گئی تھی کہ تو برا بے حشر ہے۔"
"دیکھ لاڈلے۔ میں نے کہا ہے کہ اس کے لئے صبر ہے کہ وہ قہری بات
نہیں ہے کہ میں نے آؤ تو نہیں ہے کہ مجھے اس دن کتنے سال سے انتظار
تھا۔ میں نے مجھے قہری کرنا نہیں کیا تو استاد کو مجھے کہنے کی بات مت بتانا۔"
"لاڈلے! اگر استاد کو صبر ہو گیا تو وہ میری کمال سمجھنے لگا۔"
"کوئی نا۔ میں نے تو وہی آؤ تو میں کہہ دیا کہ لاڈلے بہت بُرا
آؤی نکلا۔ ہر کسے تو اسے ملنے کی کوشش کرنا زور دے تیری مرضی۔"
اس دوران میں وہ دونوں غڑھے چھوئے عمری ہالا اور دلیپ پور
کا تھوکان کرنا چاہا تھا۔ لڑتے ہوئے بڑے اچھے لڑکھے اور لڑکھے کو بچے سے بائیں
کہتے پچھڑ کریتے سن رہے تھے۔ "مارا مارا نہ کرنا۔" کہا۔ فلاؤ آؤی پور کا تھوکان
فلاؤ! دیا میری نظری ہو چکی تھی۔ لاڈلے! اچھے دیکھئے کہ میں نے دن بھر کے کڑ
تیرے چہرے میں کیا لڑائی توڑنا ہی تھی۔ کیا علیحدہ نہ کیا ہے صبر ہو کر بچے سے
کہہ دیا یا نہیں ہے۔" تھے کیا ہو گیا ہے پہلے؟ غصہ کوئی بچہ ہے کیا
میں ہی نہیں تھے۔ لاڈلے! آج مل جائے گی۔"
"میں نہیں جا رہا ہے۔ میں نے تو اسی سے کہا۔"

سائے بائیں کے کسی ساتھی کی زبانی بھٹل کو میری مائی کا پتہ چل گئے
 گا تو وہ بہت برہم ہو گا مگر اسے خبر دو میں ذرا بعد میں ملے گی جب بیل سب
 معمول اُس کے آدمی یا دو خود چھ سے ملنے کے لیے آنا تب میری جو یہ جان کے
 بہت ناراض ہوتا جس انداز سے سائے اور اس کے ساتھیوں نے مجھے رخصت
 کیا تھا۔ اُس سے مجھے یہ توقع تھی کہ وہ بھٹل کو نرم کرنے کی فرود کو پیش کریں گے
 دوسری سہاشر کر کے اب جو میری ہوسا رہی دنیا ناراض ہے بھٹل بھی میری

میں رخصت ہونا ہی سہی سرتاج باگواڑی اسٹیشن پر اسٹیشن مہکروں کی رہی تھی ایک
لے کے لیے بھی نہیں آئی آدمی کو سامنے کی طرف بھاگ پڑا اور نیچے پر ٹھٹھوسا تھا۔
میں نے دیکھا کہ جب میں ہلکائی میں ہوں تو اس لئے ٹھٹھوسا کو اپنی رخت پوش
وے میں جو زمین پر پکڑا ہوا بیٹھا ہے اور بار بار کڑو میں بدل رہا ہے جیسے آتر
کے میں نے اسے دھکا دیا اور اپنی جگہ کی پیش کش کی، وہ آنکھت بدخل رہ گیا۔
"تین تین باجی! میں یہیں ٹھیک ہوں۔"
"ماہانے چھ نہیں آئی یہی ہے میں نے آکاٹ سے کہا۔
"تیرے پاس کچھ نہیں ہے یا اور؟ اس نے آجکل سے جواب دیا۔
"بٹ ماہانہ۔ ٹی۔ ٹی اسے کاڑو بچا جانے لگا۔
وہ جھجکا اور ملے برادر پر ہلکا دیا اور میں اس کی جگہ فریض پر چھ گیا
باقی رات لیٹ رہی بیٹھے بیٹھے کڑو گئی، جسے کبھی میں نہیں تھا، مگر وہ فاضل
تھا اور آخر میں میں نے اسے اٹھا کر اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ وہی ملو اور وہی ملو
ٹپٹے میں ٹھٹھوسا ایک دوسرے اڑس ہو گیا تھا، کچھ دیر میں اس آتر کے تھے
کچھ نئے سفر آگئے تھے، اٹھ بیٹھے بات کرنا چاہا کہ ہاتھ دے دیا کہ کڑو
میں ہوں ہاں کہہ کے اٹا رہا تھا یہ ہلکا کڑو، اٹھ بیٹھے بات سے
ہی نڈر کی میرے کڑو اور ادھر میں اس سفر کی ناک ٹھٹھوسا کی تھی
جب میں نے فریض کے آتے میں اپنا چہرہ دیکھا تو سچا تھے میں نے اپنا
آنکھیں کھریں اور سپر سے ہوتے ٹھٹھوسا آتے میں نظر نہ آیا
ورنہ وہی سر ہوا جاما دکائی نہ تھا، میں کسی اور ناک کا آدمی تھا، یہاں تو سر
ٹھٹھوسا مجھے مختلف مکھن نے اٹھا کا کڑو رہ گئی ہوئی آتے ٹھٹھوسا
رہی تھی، آج ہی اسے لیٹ ہی ہونا تھا۔ جیسے تیسے پر لی ٹھٹھوسا
نے تیار کر اور ادھاب چھال کے قریب رہ گیا ہے، پھر رام پوٹھان
پر یہ فاضل ٹھٹھوسا کے سوا اور اٹھ رہ گیا، میں تو اسے چھوٹے کڑو
پر کھڑا ہو گیا، ایک سفر کو لے ساتھ کیا تھا، اپنی زندگی کا سب سے بڑا سفر
کڑو میں اس کی ایک بات یاد آ رہی تھی، بار بار یہ کہہ کر اسٹیشن پر
آ کر کے میرا آئے دیکھا، اس کا گھر بھی میں رہا، انھیں کے سیاہ کھٹے
میں اس کے تین پرانے کڑو اسے دیکھا تھا کہ شاید وہ کب ملے جائے،
شاہد کی اتفاق فرما جو جانے کچھ اب میں اسے سہاواں کہہ سکے، وہ
جیسی کوئی کڑو اور ڈیسی کوئی کڑو تو جیسی کوئی آٹھ اس کو تو

باس تبدیل کر دیجیے عبادت کے برابر نگاہوں میں جہنم موجود ہو جائے گا
پیشہ کا بھی مستقل انتظام ہے۔ پھر اہل میدان ہے۔ مولوی صاحب کی
تلاش میں لکچر کا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دوسروں کے تو خدا بھی
مل جاتا ہے۔
میرا سب تو اتنی منظر کا شکر یہ کہ اس کے اور سافر فلان کے
انتظام کی تعریف کر کے سب بکرا آیا، وہ تو دوسرے نیا دھڑ اٹلاں شخص

قہی اور جوبے میری جیب میں تھے وہ میرا آخری سہارا تھے میں نے ان سے منت کی کہ وہ مجھے چوڑیل، ایک بے گھر غریب آدمی کو پریشان نہ کر لیں۔ اس نے مجھے جیب سے نکال لیے اس کی انہیں بھٹ گئیں۔ اے یہ دیکھ۔ یہ دیکھ۔ اس کی جیب میں تو بڑا مال ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے بیچ کر کہا۔

”اور دیکھ اور دیکھ۔ ان فقروں کے پاس مال نہیں ہوگا تو کیا ہم ان کو اس کے پاس ہوگا جل جلدی سے سناں کر دے۔ وہ حسد کی اور ہی ہلکا رہتا ہے کسی بھی سے مسئلہ ہے اس کے ساتھی نے زور سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”میرے پیسے وہیں کوئی نہیں لے پاؤں گا۔“
”مردہ منور رحم میرے ناشتے کے اور مل شام کی پچھر کے پیسے ضرور دیں گے تا اور مال کھر ہے۔“
”وہ پیسے وہیں کوئی نہیں لے سچ کر کہا۔“

”اے جس شخص نے میری جیب سے پیسے ہلکے کیے تھے وہ میرا خدا اور جسم ٹوٹے ٹوٹے جبر کر کے ایک بچا اور والا سے اس کے ہاتھ میرے تو میرا پیسے بولا۔ اے یہ تو ایک ملا بھی پیسے جنت ہے۔“

”کیونکہ گروں سے اس کے ساتھی نے گئے تھے کہ وہ کیا۔“
”ہاتھ مت لگانا۔ میری آواز غصے سے کانپنے لگی اس کا ہاتھ میرے گریبان کے اندر پہنچ چکا تھا۔ میں نے ایک ہلکا پھل کلا پی وہ دفن ناگھیں اس کی نمیت کی ناگھیں پلڑیں۔ وہ دھڑکنا تھا۔

ساتھ کی دکان کے بندہ اس سے بھڑکا اور جھپٹے لگا۔ یہ اس کے ساتھیوں کے لیے ایک غیر متوقع بات تھی۔ وہ دفن میرا زور پھوڑ کے بیل کی طرح سانسے اٹھائے اور ایک سے کھر سے جاقو خال کے اور پتیرا بدل کے تیزی سے کہا۔ کالا نکال؟

میں ایک لمحے تک ٹھنکرا رہا۔ اس نے جاقو ہرا کر مجھے گروں سے لاکھ لٹنے کا دباہر دیکھ دیا۔
”کیا تیرے باپ کی سے میں نے مل کے کہا۔“
”یہ تو مجھے اچھی معلوم ہو چلے گا۔ میں ہی چاہتا تھا کہ وہ جاقو

کا کوئی غلطی نہ کر دے۔ وہ مجھے اور نزدیک ہو گیا۔ میں یوں ہی کھڑا ان دونوں کو گھورتا رہا۔ یہ جاقو بھی تیرے پیٹ میں اتارے گا۔ جان باری ہے تو لا احوال نہ کر دے۔

میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے گروں کی طرف دونوں ہاتھ بڑھائے ایک ٹائیے بند میرا پتھر لپٹا ہوا جاقو والے شخص کے پیچھے تھا۔ دوسرے نے مجھے تپا مارا اور میرے گھر لے بساتے۔ لیکن میں نے اس کے ساتھی کا پتھر نہیں چھوڑا اور اس کا بازو موڑ کے

جاقو اس سے بھین لیا۔ جاقو میرے ہاتھ میں آتے ہی ان کے اٹھان غلط ہو گئے۔ وہ گھولنے لگے۔ اگر مجھے سات سال کا بیچ تجربہ نہ ہوتا تو میں ان کے پیٹ میں جاقو اتار دیتا۔ دھپے اپنی کروڑ میں نے بیچ کر کہا۔

”ابھی میں ہی اچھی جالیہ رہے ہوں۔ اس نے اپنے ساتھی کو حکم دیا جوقر اور ایک پانی کی بوتلی میں جالیہ کوئی ہلکا آری دھکتے ہیں۔ میں نے اس کے تھوڑے ہی رزومل کا انہما نہیں کیا۔ دوسرا ساتھی ماما گھرا اپنے کراہتے ہوئے ساتھی کے پاس گیا جڑیل پر اندھا چڑا تھا۔ وہ رہے اس کی جیب سے نکال کے تیزی سے

واپس آیا۔ گئی جیب میں ہی اس نے پھیلے ہوئے میرے حوالے کر کے کہا۔ میں نے گئے بغیر نہیں جیب بند کر لیا۔ پہلے تو میں دیکھا کیا نئے نئے تھوڑے تھے ہر ساتار۔

سبا کی جاپ سے تینوں پریشان ہو گئے۔ میرا جواب دے بغیر انھوں نے زمین پر ڈھیر سے چپے ہوئے ساتھی کو اٹھایا۔ وہ پندرہ بیس قدم بعد ایک گلی میں جا گئے جی اٹھے تھے کمری کی گنجی ہوئی اور انہیں انھیں رک گیا۔ طبر۔ اپنا جاقو لیتے جاقو۔

انھوں نے جاقو اس لینا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے حیاں ہی نہیں۔ پا کر میرے ہاتھ میں لٹکا ہوا جاقو بے بسیا میرے پاس آچکا تھا۔ میرا طیارہ جاقو دیکھ کے اس کا پارہ چڑھ گیا۔ کون بونہ اس نے پسایا۔ آواز میں پوچھا۔

”ایک سا فرمون؟“ میں نے ہنسی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
”یہاں کون تھا؟“ میں نے پوچھا۔
”تین لوگ تھے۔ جاقو ہلانا آتا نہیں اور جاقو لیے پھرتے ہیں مجھے یہ دھکے دے رہے تھوڑا جانتے تھے۔ میں نے جاقو پیمن لیا۔

میں نے اس کے ساتھی سے کہا۔
”جاقو دیکھ کے جاگے۔ با میرے قدموں کی آواز ان کے؟“
”جو مجھ پر یہ قسمت ہے آپ کو بھی وقت پر پہنچ دیا۔“
”میں تمھارے بیان پر کیوں یقین کروں؟“

”میں جو کہ رہا ہوں۔ میں نے شے سے کہا۔“ ان کا جاقو میرے ہاتھ میں بنے شاید آپ نے نہیں جانتے تھے۔ میں نے جی دیکھا جو۔
”یہ جاقو تمھارا بھی تو ہو سکتا ہے۔ وہ جھوٹے بولا۔ کہاں ہے بونہ؟ کہا نام ہے؟ میں نے ان کا نام پوچھا اور کہا کہ میں یہاں ایک صاحب کی تلاش میں تھا۔ انھیں دیکھتے دیکھتے میں ان کو جھٹے۔

اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ مجھے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتے جو۔ اس نے نہیں یقین کرنا جانا ہے۔
”کوئی نہیں کیا ضروری ہے کہ ہر شہر میں آدمی کا جاننے والا

موجود ہونے میں نہ کہے کہہاتے ہوئے کہا۔ یہ جاقو آپ لے لیجئے۔“
”اس نے ایک جاقو میرے ہاتھ سے لیا۔ میں نے اسے یہ دیا۔ میں نے ہلکا اس کے ہاتھ سے چھینا ہے۔ ماما کو گروڑ معلوم ہوئے۔ شاید تم لوگوں کا ڈاکا ڈالنے کا پوچھ رہا تھا۔ تم نے اپنے ساتھیوں کو بھگا دیا۔“

”حوالہ صاحب آپ کسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے تھلکا کر لیا۔ دیکھئے میرا ہاتھ۔ بخار میں اسے یہ دیکھئے۔ میں نے اپنی کھٹی آنکھ دھاتے ہوئے کہا۔

”تمہیں میرے ہاتھ تھلے پڑنا ہوگا۔ وہ برہی سے بولا۔
”کیوں؟ میں نے کیا جرم کیا ہے؟“
”جرم؟ وہ جاقو ہلاتے ہوئے بولا۔ یہ جرم نہیں ہے، بات کے وقت میں جفا شہر خرابا کرنا جرم نہیں ہے۔ جاقو ہلانا ہے۔

میں نے اس کے جواب میں کہا۔
”میں نے اس کے جواب میں کہا۔
”میں نے اس کے جواب میں کہا۔
”میں نے اس کے جواب میں کہا۔“

میں نے اس کی منت صاحب کی شہر میں کوئی ایسا بھی نہیں تھا جس سے میں اپنے تعلق کا حوالہ دے سکتا۔ اس کی وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہی دنیا میں تھا۔ میں نے اس کی کوئی بنا دھوڑی جلیجے کسی غلطی کی کہ اس کے گروہ سے اس کی وابستگی ضروری ہے کہ کوئی پاپس لے لے جی رہتے ہیں۔ انھیں سب زیادہ ضروری شاخت کی بڑی ہے کہ میں اس کے ساتھ جالنے سے انکار کر دیتا تو وہ اسے گلی میں ہٹا ہونے میں بیا دیتا۔ ان میں سے مجھے بہت خوف آتا تھا۔

جب بھی ہنسی میں میں میٹھاں بجاتے تھے میں انے کان بند کر لیتا تھا۔ سینی کی آواز سے میرا دل رواں لڑنے لگتا تھا۔ حوالہ میری منت صاحب سے نہ پڑتا رہا۔ میں نے بہت کام کھو وہ میں مانا۔ میں نے اسے اس کے پیچھے نکال کے لیے۔ وہ کچھ دیر بعد کہا ہٹا، متفقہ ہوا لیکن اپنی بات پڑا رہا۔ ہاتھ میں جاقو، مجھے میں غیبتی ملا، وجیب میں پہلے اندھری رات ابھی شہر ہاتھوں کا میدان تمام خصوصیات کی ایک مانی سے کسی کو بھی جرم ثابت کیا جاسکتا ہے۔ میرے ساتھ تو ایک خصوصیت بھی تھی۔ اگر کوئی یہ بیان لیتا کہ کھٹے میں میں قتل کر کے سات سال کی سزا کاٹنے والا تھا اس کے سامنے موجود ہے تو میں ملتے تو یہ پڑیلوں کو دیتا پھر میری سے میری بے گناہی کا یقین

نہاتا۔ میں کو دھوکا غاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک نیم تاک ایک گلی کے قریب تک کے گلی میں اس سے کب باہر پھر درخاست کی تھا۔ بہت قریب سے زیادہ دور میں جانا اس نے غصہ کیا۔
”سفر اللہ رہی؟“ میں نے لیسکا لیکن انداز میں کہا۔ میں نے کوئی

نہا۔ میں کو دھوکا غاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک نیم تاک ایک گلی کے قریب تک کے گلی میں اس سے کب باہر پھر درخاست کی تھا۔ بہت قریب سے زیادہ دور میں جانا اس نے غصہ کیا۔
”سفر اللہ رہی؟“ میں نے لیسکا لیکن انداز میں کہا۔ میں نے کوئی

نہا۔ میں کو دھوکا غاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک نیم تاک ایک گلی کے قریب تک کے گلی میں اس سے کب باہر پھر درخاست کی تھا۔ بہت قریب سے زیادہ دور میں جانا اس نے غصہ کیا۔
”سفر اللہ رہی؟“ میں نے لیسکا لیکن انداز میں کہا۔ میں نے کوئی

گناہ نہیں کیا ہے۔ آپ مجھے یہاں لے جا کر وقت ضائع کر رہے ہیں۔“
”سب جرم آپ ہی باتیں کرتے ہیں۔“
”ابھی مجھے جرم نہیں کر رہے ہیں؟“
”جلی عوام کو۔ وہ مجھ کو خیر انداز میں بولا۔
”میں نہیں جانتا۔ میں نے جرم ہو سکے کہا۔

”کہا؟ میں نے میرے تھوڑے کے شہی پر ہاتھ ڈالا۔ میں نے اس کا ہاتھ دھکیں روک لیا اور شہی کی ڈوری کو جھکا دیا۔ میں دور جا کر گیا کیا کیا؟ وہ بھلا سٹ میں بولا۔ یہ ایک اور جرم ہے بھگوان کی سرگن ذاتی مار گرواؤں کا گڑھی کا دودھ راد ابلانے گا۔“

”میں جرم نہیں کرتا۔ میں نے اسے یہاں سے کھینچا سما کی گلی سے آیا۔“
”کچے سے یہاں مجھے ماؤ اور اذیت نہ بھلا۔ شہر کا تو کوئی نہ لانا۔“
”میری آواز میں ایسی کھٹی تھی کہ اس کی زبان کو قفل لگ گئی۔ میں انھیں میں جرم کے لہو سرسکا ہوں لیکن تمھارے بیوی بچوں کا خیال کیا جاؤ اپنا راستہ سمجھاؤ۔“

”وہ غصا لگایا۔ اس کے ہونٹ لڑنے لگے۔ اسے میرے ہاتھ پاؤں کے دو کا اندازہ نہیں تھا، جب اپنے شانوں پر اس نے وزن محسوس کیا تو غصے یا غصے سے اس کا ایک ایک قہقہہ لگا۔ اس نے ہی کوئی سنبھالی اور ہانکا سوا کی گئی۔ اس کے پاس میں اس کے گلی میں گلی کا گھوڑی میرے لیے تھی۔ میں نے اس کی آواز میں اسے گلیوں کی بہت ناک اور اڑاں جو میرے اس طرح دل میں گھس جاتی تھیں میں بھڑک اور ہانکا۔ غلامی میں اس کی گلی سے اس کی جانتا رہا۔ یہاں نے مجھے صحت میں کیا۔ ایک سینی کی تو طرف میں گیاں کو گھٹے لگیں۔

”میں نے اس کے ساتھ جالنے سے انکار کر دیتا تو وہ اسے گلی میں ہٹا ہونے میں بیا دیتا۔ ان میں سے مجھے بہت خوف آتا تھا۔ جب بھی ہنسی میں میں میٹھاں بجاتے تھے میں انے کان بند کر لیتا تھا۔ سینی کی آواز سے میرا دل رواں لڑنے لگتا تھا۔ حوالہ میری منت صاحب سے نہ پڑتا رہا۔ میں نے بہت کام کھو وہ میں مانا۔ میں نے اسے اس کے پیچھے نکال کے لیے۔ وہ کچھ دیر بعد کہا ہٹا، متفقہ ہوا لیکن اپنی بات پڑا رہا۔ ہاتھ میں جاقو، مجھے میں غیبتی ملا، وجیب میں پہلے اندھری رات ابھی شہر ہاتھوں کا میدان تمام خصوصیات کی ایک مانی سے کسی کو بھی جرم ثابت کیا جاسکتا ہے۔ میرے ساتھ تو ایک خصوصیت بھی تھی۔ اگر کوئی یہ بیان لیتا کہ کھٹے میں میں قتل کر کے سات سال کی سزا کاٹنے والا تھا اس کے سامنے موجود ہے تو میں ملتے تو یہ پڑیلوں کو دیتا پھر میری سے میری بے گناہی کا یقین

نہاتا۔ میں کو دھوکا غاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک نیم تاک ایک گلی کے قریب تک کے گلی میں اس سے کب باہر پھر درخاست کی تھا۔ بہت قریب سے زیادہ دور میں جانا اس نے غصہ کیا۔
”سفر اللہ رہی؟“ میں نے لیسکا لیکن انداز میں کہا۔ میں نے کوئی

نہا۔ میں کو دھوکا غاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک نیم تاک ایک گلی کے قریب تک کے گلی میں اس سے کب باہر پھر درخاست کی تھا۔ بہت قریب سے زیادہ دور میں جانا اس نے غصہ کیا۔
”سفر اللہ رہی؟“ میں نے لیسکا لیکن انداز میں کہا۔ میں نے کوئی

نہا۔ میں کو دھوکا غاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک نیم تاک ایک گلی کے قریب تک کے گلی میں اس سے کب باہر پھر درخاست کی تھا۔ بہت قریب سے زیادہ دور میں جانا اس نے غصہ کیا۔
”سفر اللہ رہی؟“ میں نے لیسکا لیکن انداز میں کہا۔ میں نے کوئی

نہا۔ میں کو دھوکا غاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر ایک نیم تاک ایک گلی کے قریب تک کے گلی میں اس سے کب باہر پھر درخاست کی تھا۔ بہت قریب سے زیادہ دور میں جانا اس نے غصہ کیا۔
”سفر اللہ رہی؟“ میں نے لیسکا لیکن انداز میں کہا۔ میں نے کوئی

دکانوں میں جتنے بھی آدمی نظر آتے سب بندگی کی شریانوں میں پکڑے جاتے، سر پر لگاؤ کے بڑے بڑے مورڈ اور بیلان تھے۔ لوگوں کے انداز میں ایک تکلف تھا، انفاست اور سجاوٹ تھی۔ میں مارے کی دی ہوئی واسٹ پہنے ہوئے تھا۔ میں تول میں غیر نے اور اپنا پلید درست کرنے کے لیے تھے اور بعد بانو کا تھیلہ ہاتھ میں لیے جھرمٹا اٹھا، اودھر نکل پڑا اور مختلف مدرسوں اور سبیلوں میں ہلکے خوشنقش نامی ایک مولوی کا پتہ پوچھا رہا۔ لوگ مجھ پر ہنسنے لگے میں عاجزی سے درخواست کرنا کہ وہ ذرا قوت سے میری بات سن لیں، مجھے مولوی خوشنقش یا ان کی بہن کا پتہ بتا دیں۔ ان کا اور ان کے شوہر کا نام مجھے معلوم نہیں تھا۔ نام میں خوشنقش سے کئی میل کا فاصلہ تھا۔ پوچھا میں پڑانے شہر میں داخل ہو گیا اور اس آخری سرے تک گیا جہاں ماؤش سستے تھے اور جہاں نظام نے ایک پر شکوہ عمارت فلک فانی بنا لی تھی۔ اب تو منہ کھولتے ہوئے بھی عزامت جوتی تھی۔ پہلے ہی دن کی ناکامی دیکھ کر مجھے یہاں سے رخصت کر دینا چاہیے تھا۔ یہاں تو وقت محض ضائع کرنا تھا۔ آخر وقت لگتی تھی کہ میں نے زندگی باقی پڑی تھی۔ ابھی میری عمر ۲۲، ۲۳ سال سے زیادہ نہیں تھی جب کہ زمانہ تو میں نے جیسا یاد میں ہوا یاد کے لوگوں کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ گوگر طرح علاج کے سوال کرتے کہ ان کی شادی کب ہوئی تھی وہ کب حیدر آباد منتقل ہوئے ہیں؟ ان کے شوہر کا نام کیا ہے؟ انہیں تو نہیں ہے نہیں وہ تو نہیں ہے؟ اس تک دو دو ایک اخبار نویس سے میری ملاقات ہو گئی۔ اس نے میری درخواست پر اپنے اخبار میں اس مضمون کا اشتہار شائع کیا۔

مراد آباد روٹی کے جناب مولانا محمد شفیق باغیہ اور ان کی مشیرہ عترت مر جہاں میں بھی قیام فرما رہی ہیں، توجہ فرمائیں اور مدینہ ہرم میں بارفراں سے رابطہ قائم کریں۔ بارفراں کے پانی ہر درود و صوف کے لیے ایک امانت محفوظ ہے۔

مشتہدہ احتضار بارفراں اخبار میں اشتہار چھپنے سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اخبار پڑنا ہو گیا۔ میں حیدر آباد میں ایک ہفتے قیام کرنے کے بعد آخونی آ گیا۔ دل سے لاہور اور رشتہ اور دو ماہ سے بڑبڑ بریلی پھر کھنکھرائی۔ اس سفر میں مجھے دو مہینے لگ گئے۔ میں نے مختلف دینی مدرس گاہوں میں مولوی صاحب کو تلاش کیا لیکن وہ نہ ملے کجاں غائب ہو گئے تھے کہیں نہیں ملے۔ آخر میں مولوی صاحب نے گیارہ خوشنقش شہر تھا جہاں مجھے اپنے آپ کو پھر یہ سمجھا تا پڑا

مولوی صاحب سے ملاقات اب ممکن نہیں ہے نہ جانے ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ کس کس کوں گم ہو گئے اتنے بڑے جنرلستان میں کس سے ان کا پتہ پوچھوں؟ ابھی تو صرف چند شہر دیکھے ہیں کہاں کہاں جاؤں۔ اب مجھے پھر سکون ہو چلا تھا۔ مدرسوں میں اسکا سکون، مہلج اور درمذرا دیوں میں اسکا سکون، باب مجھے کوئی جلدی تھی نہ حشمتنا جب میں صرف چند پلے باقی ہو گئے تھے مجھے اور نظام کے لیے کھڑی نہیں تھی۔ بس ایک کرب یہ تھا کہ میری کجست میں نہیں ہے۔ سات سال میں اتنے پیر کاٹے تھے پڑھا کھا تھا اور قید میں سے زندگی بچنے کی کوشش کی تھی تاکہ کوئی دیکھ کر ہلاکت نہ دے۔ میں اس کے لیے بیانی ذات کا ایسا مہو و فکھ بناؤں کہ کوئی اس پر شکوہ اٹھانے کی حجت نہ کر سکے قلعہ اپنے کوں تو تلاش کر رہا تھا مگر ہو گیا؟

قیاس کیا تھا کہ مولوی صاحب کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مجھ سے خون کی ملاقات سرزد ہو گئی ہے اب کوئی موجود نہیں ہے مجھے رابطہ قائم کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے جل کاٹنے شروع کیا۔ وہ بھی مجھ کے ذریعے تو مجھے ملحق کر سکتے تھے مگر انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں نے جل میں اپنا نام کا تباہی ممکن ہے انھوں نے میرے محل نام سرخو لکھا ہو اور جل کے حکم نے تلے تلے کر دیا ہوگا اس نام کا کوئی شخص یہاں موجود نہیں ہے۔ جہاں اب سات سال گزر چکے تھے درمیان میں دو تہائی موتی دیا رہا کب ہوئی تھی۔ کوئی نہیں کا جا سکتا تھا کہ مولوی صاحب کو کیا سا جو پیش آیا۔ میں نے کسی اور خیال کو دل میں نگہ نہیں کیا تھی۔ شاید یہ حشمت خیال سے میں اپنی سزا کاٹ سکتا تھا۔ سوچا تھا کہ مولوی صاحب نے ضرور کوئی ماحصل کر لیا، بھی تو وہ نہیں آئے۔ انھیں معلوم ہو گا کہ میں جیل سے چھوٹے ہیں اور اب آؤں گا۔ وہ کوئی دلاسا دے کے زندہ رکھے ہوئے ہوں گے۔ کورا ایک ایسی لڑکی تھی جن کے لیے بڑے بڑے تیار کیے جاسکتے ہیں۔ اپنی مثال خود میرے سامنے تھی۔ میں نے بالی بات میں مانی اتنی نے صرف اتنا کہا تھا کہ میں کوئی دھوکا دے کر بڑے جھوٹے کس چھوڑاؤں لیکن اتنی اور اسے اتنا پڑنا تلقین ہونے کے باوجود کورا کے لیے میں نے انھیں چھوڑ دیا۔ بڑے تین دنوں کی خاطر اپنا تھیلہ چھوڑ دیا تھا، مولوی صاحب نے اس کا چہرہ دیکھا تو ان میں کتنی شفقت کے سرور اُڑاتے اور کورا کی بد نصیبی کھلی کیلے کہیں سکون نہ ملا۔

اب بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ کہیں تو مولوی صاحب کا نام و نشان ہو تا تھا۔ اس رات اقامت اس طرح پیش نہیں آئے جس طرح میں نے سوچا تھا۔ غصے سے میری کوئی ماحصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے اور انھوں نے مولوی صاحب کو ختم کر کے ان کی لاش

چھادی ہوگی یا پھر کورا کا تقابک کرنے والے لوگوں نے اسے اور مولوی صاحب کو کسی جگہ دیکھ لیا ہوگا اور مولوی صاحب کا کام تمام کر کے کورا کو اپنے ساتھ آپس سے گئے ہوں گے ممکن ہے مولوی صاحب سے کہیں جھگڑ ہوئی ہو اور وہ کورا کو چھپانے میں ناکام ہو گئے ہوں۔ مولوی صاحب بھی میری وحشت کی بحیثیت چرچہ ہو گئے۔ پورا کورا اور مولوی صاحب تین کا ٹھیلہ نہ جانے کتنے لوگ میری وجہ سے قتل ہو گئے۔

کورا کو کوئی بھی لے گیا ہو اس کے قبیلے کے گلے باغیہ نے دھڑوڑ زندہ ہو گیا۔ میں اسے ایک بار صرف دیکھنا چاہتا تھا صرف ایک بار اس سے زیادہ میرا کوئی مطالبہ نہیں تھا۔ اس ایک بار کی بعد پرتوئی مادہ میں نے میری ماں بھی لے لی۔ مجھے پھر شرکاری لاکھ نوے بیس کے لیے جیل میں رکھنے میری آنکھیں ٹھٹھلے، میرے ہاتھ کاٹ گئے مجھے بے ست و پا کے کورے پھر پکڑے۔ مجھ سے کہے تو میں اس کے قتل میں مل کر کے ابار کھادوں، میں رزنی کڑوں گا، ڈاکو بن جاؤں گا، وہ جسے کہیں میں سے قتل کروں گا مگر ایک بار وہ مجھے کورا کی صورت دکھائے۔

کہیں اب تو نہیں۔ نہیں۔ میری آنکھیں حقیر تر لگیں اور سر جھینٹے لگا۔ ایسا میں ہوسکتا ہوں جس کا کبھی بار پہلے بھی یہ خیال دل میں آیا تھا۔ میں نے سر جھک کر خود پریشان تھی کی تھی مولوی صاحب کے کور پر پڑتے ہیں کیا کاسکا تھا، ایک فزشتہ صفت آدمی تھے جب انھوں نے مجھے سینے سے لگا کر یاہ دی تھی تو ان کے دل میں کوئی کھٹ نہیں تھی پھر انھوں نے ہاتھ بے سامان خیرا کورا کے لیے بہترین لباس جو کورا کو وہ میں کس ذوق شوق سے لکھنے کی سیر کرتے رہے۔ وہ ایک فخری شخص تھے، ایک دن دار آدمی، ان کی ساری عمر شرافت کے چھپے کی گزری تھی۔ وہ اتنے بہت میں ہو کر جگہ میرے اور کورا کے کون سے رشتہ دار تھے مجھے یاد آیا جب میں نے کیا اسٹیشن ملانے کے لیے میں داخل ہونے لگا کوشش کی تھی تو انھوں نے نہایت رشتہ انداز میں مجھے روک دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حشمت کے آدمی نہیں تھے مولانا دین محمد ان کے تعلقات عموماً تھے رشتہ داروں تک سے کسی رشتہ دار کو انھوں نے شادی کی تھی کہ ان کے دل میں میری بچوں کی محبت کا لگاؤ نہ تھا۔ انہوں نے میری دھم سے سے نہیں لے۔ اب کسی کو کیا پتہ، میں بیان بیجا ہوں، شکل و صورت سے ایک معلوم شخص تو انہوں میں مگر کون جانتا ہے کہ میں کون کیل ہے میں کون کیل میں ہوا تھا۔ آج میرے تو سب کے مختلف ہیں، دنیا میں ہر آدمی دوسرے سے الگ نظر آتا ہے۔ اندر سے آدمی کہیں گل ہو سکتا ہے اندر سے عورت اس کی

تفاصیر بھی بدل جوتی ہے۔ مولوی صاحب کو اندر سے دیکھنے کا وقت ملے کہاں ملتا تھا، ریل میں ملنا ملاقات ہوئی ایک ساتھی لڑکی پھر دونوں مگر انھوں نے جب ریل میں مجھ سے شفقت کا اظہار کیا تھا، اس وقت انھوں نے کورا کو کہاں دیکھا تھا کورا تو دوسرے ڈبے میں بیٹھی تھی مولوی صاحب اپنے بڑے پریشان ہو گئے تھے۔ مجھے کیا لگا تھا تھے اور خوب محنت کی بائیں کرتے تھے۔ آخر اسٹیشن پر یہی وہ لڑکی جو میری فخر کرتے تھے کہ اس میں جہاں میں لینے تھا میں تو وہ جہاں میں اس وقت کورا ترقی میں تھی اور انھوں نے اس کے جیسے اور طریقہ انداز میں کیا تھا میں مولوی صاحب پر شک کرنا لگا۔ وہ بچاؤ سے تو صرف میری وجہ سے مذہب میں مبتلا ہو گئے۔ دہانے ان پر کیا گزری ہوگی۔ دہانے کس عالم میں ہوں گے۔ پتہ نہیں زندہ بھی ہوں گے یا نہیں۔

سوچتے سوچتے میرا دل ایک گھبراہٹ کا ایک آخری امید رہ گئی تھی کہ میں ان خفوں کو کاٹنے میں جس جہاں میں رہا کے کاسے ہم پر چڑھ گیا تھا۔ ابھی سے کوئی سوچ بات معلوم ہو سکتی ہے۔ شاید وہ زندہ ہوں اور کھینچے میں موجود ہوں۔ غنڈوں کی زندگی کا کیا ہو سادہات سال میں کتنے خندے ہو گئے ہوں گے۔ میں نے کھنچتے لاکھ ہو کر کھینچنے کا رنہ کیا، کھنچو اور کھینچنے کے درمیان کبھی شہر تھا، کیا قریب نے ریل میں ہو گئی تھی، جی میں اب اس ایک بار کوئی خوف سے کوئی کداس میں جو اب کوئی لکھتے ہیں جو ان میں نہیں سکے گا میرا ملنے یہاں سات سال میں تو کور قابل بھال گئے ہوں گے۔ بس دوا نہ۔ ایک فقرہ کچھوں کا اور ملاؤں گا شاید کسی کا چہرہ دیکھنے کو مل جائے۔ میں ایک فخری صورت میں جاؤں گا، ایک شکل بڑی لوں گا اور دوا نہ پکڑاؤں گے جیک کہ خدا نکاؤں گا۔ کوئی تو دوا نہ پکڑے گا ممکن ہے اتنی آجائیں لیکن اگر کسی نے جان لیا تو یہ کہہ سکتا ہے۔ یہ دماغی، جہاں جوتی رات، یہاں جوتے ہوئے پکڑنے کوئی بھی شافقت میں کر سکے گا۔

گاڑی جب گلاشٹین پر ٹھہری تو میرا دل دھڑکنے لگا۔ شیش پر اچھی خاصی تبدیلیاں ہو گئی تھیں میں رات سے جوتے قدموں سے پلیٹ خاندانہ انوسا مندی سوئے ہوئے خوشبو کی آگے جاؤں یا نہ جاؤں وہ گاڑی ابھی پلیٹ خاندانہ پر گاڑی تھی میں ڈنکے کی طرف بڑھا، چھوڑا اس کا دل و دماغ میں جو خیال آیا ہو تھا۔ اسٹیشن پر میرے ساڑھوں کی تیج پکار نفسا تھی پتہ میری کیفیت میرے جسم کی تھی اسٹیشن پر کور کے میں اپنی آڑس میں رہا گیا گھاس کا وہ چھوٹا سا میدان خشک ہو گیا تھا جہاں میں کبھی بھی تیج سورہے نہیں آتا تھا۔ میرے جانے کے بعد شاید کسی نے اس کی خبر لی لی تھی مجھے بہت دکھ ہوا جگت نام

اس لیے مجھ گیا میں شاکر مینی کا مکتوب چھپا ہوا تھا۔ راجہوں کی لڑکیاں ایک مندر سے دوسرے مندر آتیں تھیں اور ان کے ہاتھ کے نیچے بیڑ لگی جوتی تھی۔ جہاں شاکر مینی نے روانہ حاصل کی تھا۔ میں جی ایک کونے میں بیٹھ کر بیڑ لگا رہا تھا۔ ایک لڑکی نے مندر سے مندر میرے اس طرح مندر سے کے بیٹھنے پر کبھی میرے مجھے روکے تھے۔ اس لیے مجھے غریب نہیں ملی۔ دیر تک میں بیٹھ رہی تھی کہ سنا میٹھا رہا شاکر ایک مجھ سے اور دوسرے گزرتے وقت مجھے دیکھ کر ہنسی کی اور ملاحت سے کہنے لگا۔ شاکر مینی تم پر سکن کی بارش کرتے ہیں کہ کو کھانہ ہے؟ ”ننگی کا لنگھ ہے“ میں نے وقت سے کہا۔